

ہندومت تاریخ اور فرقے

حافظ محمد شارق



مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی-۲۵

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۱۵۳۶
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : ہندومت - تاریخ اور فرقے
مصنف : حافظ محمد شارق
صفحات : ۸۰
اشاعت اول : ستمبر ۲۰۱۸
تعداد : ۱۱۰۰
قیمت : -/۶۲ روپے
ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۸۱۶۵۲، ۲۶۹۸۳۳۷
E-mail: mmipublishers@gmail.com
Info@mmipublishers.net
Website: www.mmipublishers.net
مطبوعہ : ونائیک آفسٹ، نئی دہلی - ۲۰

ISBN 81-8088-769-3

**HINDU MAT
TAREEKH AUR FIRQE (Urdu)**
By: Hafiz Mohd. Shariq
Pages: 80
Price: ₹62.00

ترتیب

۶	عرضِ ناشر
۷	ہندومت کا تعارف
۷	لفظِ ہندو کی تعریف و توضیح
۹	سناتن دھرم
۱۰	ہندومت کی تعریف
۱۲	دوسرے مذاہب سے فرق
۱۳	ہندوؤں کی امتیازی خصوصیات
۱۵	کیا ہندو دھرم ایک عالم گیر مذہب ہے؟
۱۶	کیا ہندومت و عوتی مذہب ہے؟
۱۶	ہندو اکثریتی ممالک
۱۶	ہندومت کی اہم کتابوں کا تعارف
۱۹	ہندومت کی تاریخ
۲۱	ہندو تہذیب کے قدیم ماخذ
۲۲	مذہبی روایات سے ماخوذ تاریخ
۲۴	قدیم آریائی کلچر (1500BC-4000BC)
۲۵	ہندی ایرانی آریا
۲۶	ہندی آریاؤں کا دین و مذہب

- ۲۸ مصر، شام اور ترکی میں آریاؤں کی سکونت
- ۲۹ آریاؤں کی ہندوستان آمد
- ۳۲ داہیو
- ۳۲ ہندی اور ایرانی آریاؤں کی علیحدگی
- ۳۴ آریاؤں کی مزید آمد
- ۳۵ متنوع قبائل
- ۳۷ برہمنی عہد (1200BC-700BC)
- ۳۸ ہندومت کی تشکیل
- ۴۰ توحید کے مبہم آثار
- ۴۱ جین مت اور بدھ مت کا عہد (400BC-600BC)
- ۴۱ گوتم بدھ
- ۴۳ جین مت
- ۴۴ ہندوستانی اقوام کا اختلاط
- ۴۵ منظوم کتابوں اور پرانوں کا عہد (500BC-500CE)
- ۴۵ بدھ مت اور جین مت کا عروج
- ۴۷ پرانوں کا عہد
- ۵۲ عیسوی دور کا آغاز
- ۵۶ ہندو مسلم عہد حکومت سے برطانوی سامراج تک۔ (800-1900)
- ۵۷ بھکتی تحریک
- ۶۰ سکھ مذہب
- ۶۱ ہندومت: مغلیہ عہد میں
- ۶۳ ہندومت۔ انگریزوں کے دور میں
- ۶۶ ہندو مذہب۔ دور جدید میں (1950 تا حال)

۵

۶۷

۶۹

۶۹

۷۱

۷۲

۷۲

۷۳

۷۳

۷۵

۷۵

۷۶

۷۷

۷۸

۷۹

موجودہ ہندو دھرم
ہندو فرقے اور تحریکیں

وشنوازم

گودیا ویشنو

سمپر دایا

شیومت

پشاپت

لنگایت

شکتی مت

سمرتی مت

آریہ سماج

گاندھی تحریک

برہموسماج

رام کرشنا مشن

عرضِ ناشر

کثیر مذہبی معاشرہ میں رہنے والوں کے درمیان بہتر تعامل کے لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ایک دوسرے کے مذاہب کے بارے میں علم ہو۔ ان کے عقائد اور بنیادی قدروں سے واقفیت ہو اور ان کی رسوم و روایات کی وہ جانکاری رکھتے ہوں۔ اس سے مطالعہ مذاہب کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نے مختلف مذاہب کے تعارف پر متعدد کتابیں شائع کی ہیں۔ ان میں عالمی مذاہب (یہودیت اور عیسائیت) بھی ہیں اور ہندوستانی مذاہب (ہندومت، جین مت اور بدھ مت وغیرہ) بھی۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جناب حافظ محمد شارق (لاہور) مطالعہ مذاہب سے خصوصی دل چسپی رکھتے ہیں۔ سنسکرت اور دیگر مذہبی زبانوں سے واقفیت کی بنا پر مذاہب عالم کے صحائف پر ان کی گہری نظر ہے۔ انہوں نے مذاہب کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے اور اپنے نتائج تحقیق کو کتابوں کی صورت میں اپنے ادارہ—ادارہ تحقیقات مذاہب (Center for Interfaith Research) سے شائع کیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ان کا مطالعہ مذاہب سنجیدہ اور معروضی ہے۔ ان کی تحریروں میں دیگر مذاہب کے خلاف نفرت انگیزی نہیں پائی جاتی۔

جناب محمد اقبال ملّا، سکریٹری مرکزی شعبہ دعوت، جماعت اسلامی ہند نے فاضل مصنف سے رابطہ کیا اور اس کتاب کی، ہندوستان میں مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے اشاعت کے لیے منظوری حاصل کر لی۔ جناب شیخ معرہ الدین (رکن جماعت اسلامی ہند، بیٹر، مہاراشٹر) اس معاملے میں واسطہ بنے۔ ہم ان تمام حضرات کے شکر گزار ہیں۔

برادران وطن میں دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے مذاہب کے تعارف پر مشتمل ان کتابوں کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ امید ہے، ان سے بھرپور فائدہ اٹھایا جائے گا۔

ہندومت کا تعارف

اسلام اور عیسائیت کے بعد ہندومت دنیا کا تیسرا بڑا مذہب ہے۔ کروڑوں افراد اس مذہب کے پیروکار ہیں۔ چوں کہ اس مذہب نے ہندوستان میں نشوونما پائی، لہذا اس کے ماننے والے تقریباً تمام افراد ہندوستان اور ایشیائی خطے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ہندوستان سے مراد غیر منقسم ہندوستان ہے، جس میں موجودہ بھارت کے علاوہ پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا اور نیپال کے سرحدی علاقے بھی شامل ہیں۔ گوان کے عقائد، تہوار، رسوم و رواج اور طرز فکر مختلف ہو، لیکن ہندوستان کی تقریباً 80 فیصد آبادی خود کو اس مذہب سے منسوب کرتی ہے۔ چین، امریکہ، یورپ اور چند مغربی اور افریقی ریاستوں میں بھی ہندو مذہب موجود ہے، لیکن ان کی اکثریت دراصل ان ہندو مہاجرین کی نسل میں سے ہے جو تجارت اور دیگر اغراض کی خاطر ہندوستان سے ہجرت کر گئے تھے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے، جب کہ ایک قلیل تعداد نئے ہندوؤں کی ہے۔

لفظ ہندو کی تعریف و توضیح

لفظ ہندو کی تعریف و توضیح مختلف علما و مورخین نے اپنے اپنے انداز سے کی ہے۔ بیش تر ہندو علما کے نزدیک لفظ ہندو دراصل 'سندھ' سے بنا ہے۔ سنسکرت میں سندھو لفظ کے دو اہم مطلب ہیں: ایک معنی کوئی بھی دریا کے ہو سکتے ہیں، جب کہ دوسرے معنی خاص دریائے سندھ ہے، جو تبت سے نکل کر لداخ اور پاکستان سے بہتا ہوا بحیرہ عرب میں گرتا ہے۔ یہ لفظ ہمیں

ہندوؤں کی مذہبی کتاب رگ وید میں بھی ملتا ہے۔ بعد ازاں یہی لفظ دریائے سندھ کے دونوں اطراف یعنی برصغیر جنوبی ایشیا کے باشندوں کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ وید کے علاوہ پران اور مہا بھارت میں بھی قدیم ہندی راجہ کو سیندھو لکھا گیا ہے۔ ہم آئندہ کئی اصطلاحات میں یہ دیکھیں گے کہ کس طرح بہت سے سنسکرت الفاظ، جن میں 'سین' حرف ہو، وہ فارسی یا قدیم اوستائی زبان میں 'ہ' سے بدل جاتا ہے۔ سپت (ہپت) اور سور (ہور) اس کی مشہور مثالیں ہیں۔ اسی طرح سندھو لفظ سے فارسی قوم کے ہاں ہندو بن جاتا ہے۔

قدیم عربوں کا جب ایران کے توسط سے ہندوستان سے تعارف ہوا تو انھوں نے اس خطے کو ہند ہی کہا۔ جو یقیناً دریائے سندھ کی ہی نسبت سے تھا۔ اس کے بعد جب یہاں ان عربوں کی حکومت قائم ہوئی تو انھوں نے یہاں کی اقوام کے لیے وہی ایرانی لفظ 'ہندو' ہی استعمال کیا۔ لیکن سبھی جگہ یہ لفظ ایک قوم کے لیے مستعمل رہا ہے نہ کہ مذہب کے لیے۔ پنڈت جواہر لال نہرو (1889-1964) اپنی ممتاز تصنیف ڈسکوری آف انڈیا میں لکھتے ہیں:

”لفظ ہندو ہمیں قدیم لٹریچر میں نہیں ملتا۔ اس لفظ کا پہلا حوالہ آٹھویں صدی عیسوی سے متعلق ایک تاتریک کتاب میں ملتا ہے۔ لیکن وہاں بھی یہ لفظ کسی خاص مذہب کے پیروکاروں کے لیے نہیں، بلکہ محض ایک قوم کے معنوں میں ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ لفظ بہت ہی قدیم ہے کیوں کہ یہ لفظ ہمیں پارسیوں کی (مذہبی کتاب) اوستا میں ملتا ہے۔ بعد ازاں یہ لفظ ہندوستان اور دریائے سندھ کے دوسرے کنارے پر رہنے والے لوگوں کے لیے مغربی اور وسطی ایشیا کے لوگوں نے استعمال کیا۔“

اپنی موجودہ شکل میں اس لفظ کا استعمال ہمیں سولہویں صدی میں ملتا ہے، جب ہندوستان کے علاقے بہار کے ایک راجہ ہیرا سین (1661-1684) نے 'ہندو پتی' کا لقب اختیار کیا تھا لیکن اس بارے میں بھی یہ شہادت میسر نہیں کہ اس لقب کی نسبت مذہب سے تھی یا خطے سے۔ تاہم مذہبی تناظر میں اس کا استعمال تقریباً سترہویں سے اٹھارہویں صدی عیسوی میں انگریزی مصنفین کی جانب سے اس وقت ہوا جب وہ اپنی حکمت عملی کے پیش نظر ہندوستانی اقوام کی نظریاتی بنیادوں پر زمرہ بندی (Categorization) کر رہے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں،

پارسیوں، یہودیوں، بدھوں اور عیسائیوں کے علاوہ دوسری قوموں کو انھوں نے 'ہندو' کے زمرے میں شامل کیا۔ بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے 'ہندو' ہمیں اس دھرم کی مذہبی کتابوں میں کہیں نظر نہیں آیا۔ مشہور پنڈت چندر اسیکھاریندر اسر سوتی (1894-1994) اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ماضی بعید میں ہندومت ہمارے مذہب کا نام نہیں تھا، نہ ہی یہ مذہب ویدک ماتا (ویدک دھرم، یا سناٹن دھرم) کے نام سے جانا جاتا تھا۔ ہماری اصل (مذہبی) کتابیں ہمارے ایمان و عقائد کو کسی بھی نام سے منسوب نہیں کرتی۔“

سناٹن دھرم

ہندو دھرم کے علاوہ عام طور پر یہ 'سناٹن دھرم' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ تقریباً سبھی ہندو پنڈت اپنے مذہب کے لیے یہ لفظ بالعموم استعمال کرتے ہیں۔ تاہم موجودہ دور میں سناٹن دھرم سے مراد ہندوؤں کے ہاں ایک خاص طبقہ فکر بھی سمجھا جاتا ہے، جو بت پرستی، دوسرے جنم، متعدد دیوتاؤں اور خداؤں پر یقین رکھتے ہیں۔ سناٹن سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں 'سدا سے چلا آیا ہوا'۔ لفظ سناٹن ہمیں مہا بھارت میں ملتا ہے لیکن وہاں بھی یہ لفظ کسی مذہب کے مفہوم میں نہیں آیا۔

دھرم کے معنی ضابطہ حیات، مذہب، فرض اور طبعی معمول (Physical Nature) ہے۔ جیسے آگ کا دھرم یا طبعی معمول جلانا ہے۔ اس محدود تناظر میں انگریزی میں دھرم کا ترجمہ ہم Duty بھی کر سکتے ہیں۔ یہ لفظ ہمیں ہندوؤں کی سبھی مذہبی کتابوں میں مختلف معنوں میں ملتا ہے۔ ہندوؤں کے مطابق اس لفظ کا ترجمہ کسی اور زبان میں کرنا ممکن نہیں ہے۔

علاوہ ازیں اس مذہب کو پہچاننے کے لیے ایک معروف اصطلاح ویدانت اور ویدک دھرم بھی ہے۔ ویدک دھرم کے معنی وید کا مذہب ہے۔ وید دراصل وہ خاص کتابیں ہیں جس پر ہندو دھرم قائم ہے۔ ہر ہندو ان کتابوں کو مقدس اور الہامی کلام مانتا ہے جو رشیوں (خدا کے نیک بندوں) پر نازل ہوئیں۔

ہندومت کی تعریف

علمائے ادیان کے مطابق ہندومت ان معنوں میں کوئی مذہب نہیں ہے جن میں یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اصل میں یہ ایک مذہب نہیں بلکہ یہ دنیا کی قدیم مختلف اقوام کے مذاہب کا ایک منفرد مجموعہ ہے، جس میں تقریباً ہر ایک تہذیب نے اپنا حصہ ڈالا ہے۔ اسی وجہ سے ہمیں ہندومت کی ایک جامع تعریف آج تک میسر نہیں ہے اور نہ اس کا ایک متعین جواب ہمیں کبھی مل سکا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی یہ رائے بالکل درست معلوم ہوتی ہے:

”حتمی طور پر یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ یہ کوئی مذہب ہے بھی یا نہیں! ماضی اور اپنی

موجودہ صورت میں یہ مذہب بہت سے عقائد و رسوم کا مجموعہ ہے جو اعلیٰ سے لے کر

ادنیٰ سطح پر محیط ہیں اور ان میں سے بہت سے ایک دوسرے کے متضاد بھی ہیں۔“

ہندو دھرم کے متعلق یہ بات خاص اہمیت کی حامل ہے کہ اگرچہ اس مذہب میں کئی ہستیوں کو مقدس سمجھا جاتا ہے لیکن یہ مذہب بدھ مت، یہودیت اور عیسائیت کی طرح کسی ایک شخصیت سے منسوب نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کی نسبت صرف ہندوستان کی تاریخ سے کی جاتی ہے، جس نے اپنے فکری و تہذیبی ارتقاء کے نتیجے میں ہندومت کو تشکیل دیا۔

موجودہ صورت میں یہ مذہب کوئی خاص (Specific) فلسفہ، نظام زندگی یا دستورِ عمل نہیں بلکہ یہ متعدد ایسے متفرق خیالات و نظریات کا مجموعہ ہے جو اوراقِ تاریخ میں اقوامِ عالم کے ایک بڑے اور عجیب اختلاط کی شہادت دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں ہندو دھرم وقوع پذیر ہوا۔ عام طور پر مذاہب کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ابتدائی پیروکار کسی ایک عقیدے پر متفق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ان میں اختلافات پیدا ہوتے ہیں، تو یہ فرقوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ہندومت میں اس کے برعکس معاملہ ہے کہ اس میں مختلف فرقے اور گروہ پہلے سے موجود تھے جنہوں نے ایک طویل تاریخی عمل کے بعد خود کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ (Integrate) کر کے ایک مذہب کی تشکیل کی۔ دیگر مذاہب میں ایک مذہب سے کئی فرقے بنے ہیں لیکن ہندو مذہب میں کئی فرقوں سے ایک مذہب بنا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس منفرد مذہب میں ایک

فرقہ تین خداؤں کو ماننا ہے تو دوسرا تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو، بعض ایسے بھی ہیں جو کائنات کے خالق کا انکار کرتے ہیں اور بعض خالصتاً توحید کے قائل ہیں۔ شاید ہی کوئی رسم یا عقیدہ ہو، جس پر تمام ہندو متفق ہوں۔ مختلف خطوں میں مختلف رسوم و شعائر رائج ہیں۔ یہ دھرم ہر قسم کے عقیدے کو اپنانے کے لیے ہمیشہ سے تیار رہا ہے۔ تمام رسم و رواج خواہ وہ قدیم زمانے کے ہوں یا عصر جدید کے، سب کو اختیار کر لیتا ہے۔

وسیع تناظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندومت، مذہب کی بابت اس آزادی کا نام ہے جس کی رو سے ہر شخص اپنے آپ کو ہندو سماج کا حصہ متصور کرتے ہوئے کوئی بھی عقیدہ یا رسم اپنا سکتا ہے، چاہے وہ سماج یا عقل کے خلاف ہو یا ہم آہنگ۔ The Divine Life Society کے بانی سوامی شیوانند (1887-1963) ہندومت کو مذہبی آزادی کی ایک تحریک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہندومت انسانی ذہن کو مکمل آزادی عطا کرتا ہے۔ ہندومت انسانی عقل، تصورات، احساسات اور انسانی خواہشات کی آزادی پر کبھی بے جا پابندیوں کا مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ یہ عقائد و عبادات کے معاملے میں وسیع آزادی کو روا رکھتا ہے۔ ہندومت دراصل آزادی کا مذہب ہے۔“

1966 میں بھارتی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس Gajendragadkar نے ہندومت

کی تعریف سے متعلق ایک فیصلے میں یہ الفاظ لکھے:

When we think of the Hindu religion, we find it difficult, if not impossible, to define Hindu religion or even adequately describe it. Unlike other religions in the world, the Hindu religion does not claim any one prophet it does not worship any one God it does not subscribe to any one dogma it does not believe in any one philosophic concept it does not follow any one set of religious rites or performances in fact, it does not appear to satisfy the narrow traditional features of any religion of creed. It may broadly be described as a way of life and nothing more.

جب ہم ہندومت کی بات کرتے ہیں تو اس مذہب کی تعریف یا منطقی وضاحت کرنا ناممکن نہ سہی، تاہم مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ دنیا کے دیگر مذاہب کے برعکس ہندومت کسی پیغمبر

کامدعی نہیں ہے، نہ ہی یہ مذہب کسی ایک مخصوص خدا کی پرستش کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ مذہب نہ کسی ایک اصولی عقیدے یا فلسفے کی تصدیق کرتا ہے اور نہ ہی یہ کسی مخصوص مذہبی رسوم و رواج کا حامل ہے۔ وسیع تناظر میں اسے محض طرز حیات سے زیادہ کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ان تصریحات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندومت کی تعریف میں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ قدیم دور سے اب تک رائج ایسا مذہب یا نظام ہے، جس کے بانی، بنیاد، ابتدا اور آثار و اخبار کے متعلق کچھ مستند معلومات میسر نہیں ہیں۔ یہ مذہب محض ایسی روایات کا مجموعہ ہے جو کسی ایک کتاب یا پیغمبر سے منسلک نہیں، بلکہ اس کی کڑیاں مختلف نوع کے مذاہب سے ملتی ہیں۔ ہندومت فی الواقع کوئی مذہب نہیں بلکہ ایک تہذیب کا نام ہے۔

عام طور پر ہندوؤں کے مذہب کو اسی علامت (ॐ) سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ دراصل ہندی (دیوناگری) رسم الخط میں 'اوم' لکھا ہوا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں یہ اسم اعظم، خداؤں کا صفاتی نام، مقدس اور آفاقی منتر سمجھا جاتا ہے۔ مانا جاتا ہے کہ انسان نے زمین پر سب سے پہلا لفظ یہی ادا کیا تھا۔ ویدوں، بھجن اور اکثر مذہبی رسوم کے شروع اور ختم کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اس کو اومکار بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ، ہندومت کے علاوہ جین مت، بدھ مت، سکھ مت میں بھی مقدس سمجھا جاتا ہے۔ ویدوں کے علاوہ اپنشدوں میں سے ایک 'منڈوکیہ اپنشد' میں اس اوم کا خاص تذکرہ کیا گیا ہے۔ مختلف ہندوستانی زبانوں میں اسے مختلف انداز سے لکھا جاتا ہے۔

دوسرے مذاہب سے فرق

ہندومت اور دوسرے بڑے مذاہب میں بنیادی طور پر چار اہم فرق ہیں:

(۱) کسی وحی والہام سے آغاز کے بجائے یہ مذہب تہذیبی ارتقاء کے نتیجے میں وجود پذیر ہوا ہے۔

(۲) ہندو دھرم میں ایسا کوئی عقیدہ نہیں ہے، جس کی پیروی سب پر لازم ہو۔ اس میں کوئی اصول یا فلسفہ متفق علیہ نہیں ہے۔

(۳) ہندومت کے علاوہ دوسرے مذاہب نے کبھی اپنے بنیادی عقائد سے سمجھوتہ نہیں

کیا؛ جب کہ ہندومت ہر لحظہ ری فارمیشن کے عمل سے گزرتا رہتا ہے۔
(۴) اس مذہب میں بالعموم رام اور کرشن کو مقدس ہستی کا درجہ دیا جاتا ہے۔

ہندوؤں کی امتیازی خصوصیات

ہندو مذہب کی طرح اس بات کا تعین بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ہندو کون ہے؟ کیونکہ ہندومت میں کوئی ایسا خاص نظام ہی نہیں ملتا، جس سے مذہب میں دخول و خروج کی حدود نظر آئے۔ یعنی یہ معلوم ہو سکے کہ کیا عمل کرنے سے کوئی ہندو مذہب میں شامل ہو جاتا اور کیا کر لینے سے وہ اس مذہب سے خارج ہو جاتا ہے۔ ہندومت میں ایسے مقررہ عقائد و اصول نہیں پائے جاتے جن کو ماننا اس مذہب کے ہر پیرو پر لازمی اور ناگزیر ہو۔ ہندو ہونے کے لیے ہندو گھرانے میں پیدا ہونا ہی کافی سمجھا جاسکتا ہے۔ ہندوؤں کی موجودہ عملی صورت کے اعتبار سے ایک ہندو بالکل آزاد ہے کہ وہ جو چاہے عقیدہ رکھے اور جو چاہے رسم نبھائے۔

ہندومت، مذہب کی بابت اس آزادی کا نام ہے جس کی رو سے ہر شخص کوئی بھی عقیدہ یا رسم اپنا سکتا ہے۔ یہ مذہب خدا کے مختلف تصورات میں سے کسی ایک تصور کو حق یا باطل قرار نہیں دیتا اور نہ کسی ایک تصور کو کل بنی نوع انسان کے لیے قطعی معیار تسلیم کرتا ہے۔ ہر شخص کو یہ حق دیا گیا ہے کہ جو تصور اور طریقہ عبادت اس کو پسند آئے وہ اسی کو اختیار کرے۔ کوئی بھی شخص ذات پات، سستی، پوجا اور دیگر قواعد و ضوابط کو ماننے یا انہیں مسترد کر دے، ایک خدا کو ماننے یا تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو۔ گویا ہر وہ شخص ہندو ہے جو خود کو ہندو کہتا ہے۔ سوامی شیوانند کہتے ہیں کہ ہندو دھرم کسی ایک عقیدے کی تلقین یا کسی تصور کی مذمت نہیں کرتا بلکہ ہم خدا کے منکر کو بھی بلاشک ہندو کہہ سکتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”ہندومت ان لوگوں پر ملامت نہیں کرتا جو خدا کے خالق و مالک ہونے کا انکار کرتے ہیں، یا جو ایک ابدی روح (پرماتما) اور مکش یا حالتِ نجات کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ مذہب کوئی ایسا عقیدہ بیان نہیں کرتا جس کی بنا پر ہم کسی فرد کو ایک ہندو سماج کا خدا پرست شخص قرار دے سکیں۔“

پنڈت جواہر لال نہرو لکھتے ہیں:

”ممکن ہے کہ ایک شخص قدیم ہندو فلسفی چاروک کی طرح کھلم کھلا خدا کا منکر ہو لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص ہندو نہیں رہا۔ جو لوگ ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے وہ چاہے کتنی ہی کوشش کریں ہندومت ان کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا۔ میں برہمن پیدا ہوا تھا اور برہمن ہی سمجھا جاتا ہوں۔ چاہے مذہبی و سماجی رسموں کے متعلق میرے خیالات اور میرے اعمال کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔“

راجہ راجیشور راواصغر (c.1800) اپنی ہندی اردو لغت میں ہندو کے معنی میں لکھتے ہیں:

”بید [وید]، سمرتی، پران ان میں سے [سب یا] کسی ایک کے احکام کے مطابق چلنے والا۔ باشندگان ہندوستان یعنی آریہ ورت کے رہنے والے۔“

مہاتما گاندھی جو کہ ایک معروف ہندو شخصیت ہیں اور بہت سے ہندوؤں کے نزدیک ایک باعمل اور ہندو دھرم کی صحیح تصویر بھی ہیں۔ وہ خود کو ہندو کہتے ہوئے اپنے عقائد کے متعلق کہتے ہیں:

”میں خود کو سناتی ہندو کہتا ہوں، کیونکہ میں:

وید، اپنشد، پران اور ان تمام پر یقین رکھتا ہوں جو ہندو مآخذ میں شامل ہیں اور اوتاروں اور پنچ جنم [تناخ یعنی روح کے دوسرے جنم میں آنے] پر بھی یقین رکھتا ہوں۔ میں ورن آشرم پر بھی یقین رکھتا ہوں جو کہ میرے نزدیک قطعی طور پر وید سے تعلق رکھتی ہے لیکن اس کی موجودہ بد نما صورت میں نہیں۔

میں مروجہ رجحان سے زیادہ وسیع معنوں میں گائے کی حفاظت پر یقین رکھتا ہوں۔

میں بت پرستی کا منکر نہیں ہوں۔“

ہندو مذہب کے پیروکار کی تعریف مہاتما گاندھی یوں کرتے ہیں:

”ہندو وہ ہے جو خدا، پر ماتما کے ازلی ہونے، کرم (تناخ) اور موکش پر ایمان رکھتا ہو اور اپنی روزمرہ زندگی میں حق اور انسا (عدم تشدد) کو اپنانے کی کوشش کرتا ہو۔ نیز وہ وسیع معنوں میں گائے کی حفاظت پر یقین رکھتا ہو اور حتی الوسع ورن آشرم پر کار بند ہو۔“

یہ تمام اقتباسات نقل کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا تھا کہ خود ہندو علما کے مطابق اس مذہب میں کوئی ایسا معیار (Scale) نہیں ہے جس کی رو سے کسی کو ہندو یا غیر ہندو قرار دیا جاسکے سوائے اس کے کہ کوئی شخص خود کو اس مذہب سے منسوب کرے۔ عصر حاضر میں لفظ 'ہندو' جس سے مراد پورے ہندوستان کے مختلف مذاہب، رنگ و نسل کی قوم تھی، اپنی سابقہ تعبیر سے مختلف ہے۔ اس کی جگہ اب 'ہندی' یا 'ہندوستانی' نے لے لی ہے۔ اب لفظ ہندو سے مراد وہ لوگ ہیں جو عیسائی، مسلمان، پارسی، یہودی کے علاوہ اس مذہب میں سے ہوں جس کا تعلق کسی نہ کسی طرح رام، کرشن اور دیگر مقدس شخصیات سے ہو۔

عام طور پر تمام مذاہب کا ایک بنیادی اور مرکزی عقیدہ ہوتا ہے مگر ہندومت میں کوئی ایسا مرکزی عقیدہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ تاہم جدید ہندو میلان میں تناخ اور کرم کے عقیدے کو اہمیت حاصل ہے اور جمہور علمائے ہندو کرم اور سمسارہ (تناخ) کو ہی ہندومت کی بنیاد مانتے ہیں۔ لیکن اس عقیدے کا انکار کرنے والے بھی ہزاروں ہندو موجود ہیں۔ لہذا مجبوراً ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ "ہر وہ شخص ہندو ہے جو خود کو اس مذہب سے منسوب کرے۔"

کیا ہندو دھرم ایک عالم گیر مذہب ہے؟

ہندو دھرم کے عالم گیر ہونے یا نہ ہونے کی بحث اس وقت شروع ہوئی جب ہندومت کی اشاعت ہندوستان سے باہر مغربی ممالک میں ہوئی۔ قدیم ہندوؤں کے نزدیک تو یہ امر متفق علیہ رہا ہے کہ ہندو دھرم صرف 'آریا ورت' یعنی ہندوستان کے لیے ہے۔ اس اعتبار سے ہندو دھرم کو عالم گیر مذہب کہنا چنداں دشوار ہے۔ لیکن سوامی ویوکانند اور دیگر اصلاح پسند ہندوؤں کا ماننا ہے کہ ہندومت عالم گیر مذہب ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ویدوں کے کئی دیوتا ایسے ہیں جو کسی نہ کسی صورت میں دنیا کے دیگر خطوں میں پوجے جاتے تھے، اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ ہندومت ساری دنیا میں رائج رہا ہوگا اور یہ عالم گیر مذہب ہے۔ جب کہ مغربی محققین کا ماننا ہے کہ چونکہ ہندوؤں کی مذہبی کتاب خود کہیں اس کا دعویٰ نہیں کرتی کہ یہ عالم گیر مذہب ہے اس لیے بغیر دعویٰ کے اسے عالم گیر کہنا غلط ہے۔ جہاں تک ہندوستان

سے باہر دیگر خطوں میں ویدک دیوتاؤں کے آثار کا تعلق ہے تو یہ ثبوت اس لیے ملتے ہیں کہ ہندومت بہت سی اقوام کی تہذیب کا مجموعہ ہے۔ یعنی بہت سی تہذیبوں نے مل کر ہندوستان میں ہندومت کی بنیاد رکھی ہے اس لیے ان کے آثار ہندوستان سے باہر بھی ملتے ہیں۔

کیا ہندومت دعوتی مذہب ہے؟

موجودہ دور میں کئی ہندو تنظیمیں بیرون ہند اس مذہب کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔ مگر ہم نے اوپر پڑھا کہ قدیم زمانے کے ہندوؤں کے نزدیک یہ مذہب صرف آریا ورت یعنی ہندوستان کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی زمانے میں اس مذہب کے فروغ کے لیے بیرون ہند کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اس اعتبار سے اسے غیر دعوتی مذہب میں شامل کیا جاتا ہے۔ تاہم جدید ہندو ذہن ہندومت کو ایک دعوتی مذہب مانتا ہے۔

ہندو اکثریتی ممالک

ہندو اکثریتی ممالک میں بالترتیب آبادی کے لحاظ سے بھارت، نیپال، موریشس، بنگلہ دیش، انڈونیشیا، پاکستان اور سری لنکا شامل ہیں۔ جب کہ ملیشیا، امریکہ، افریقہ، کینیڈا اور دیگر ممالک میں بھی ہندو بڑی تعداد میں آباد ہیں۔

ہندومت کی اہم کتابوں کا تعارف

آگے بڑھنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین آسانی کے لیے ہندوؤں کے دھارمک گرنٹھ یعنی مذہبی صحائف کے بارے میں بنیادی معلومات نیچے دیے گئے ٹیبل کی مدد سے اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ دوران مطالعہ کوئی دقت واقع نہ ہو۔

- ہندومت کی سب سے اہم مذہبی کتاب جس میں مختلف نوعیت کے منتر ہیں۔ چاروید
- فلسفیانہ موضوعات پر مبنی کتب اپنشد
- واقعات و حکایات، علم ریاضی، جغرافیہ، ہیئت وغیرہ پران
- قانون، فقہ کی کتاب منودھرم شاستر
- رام اور سیتا کی کہانی رامائن

● ایک جنگ کی منظوم داستان۔ اسی میں مذہبی کتاب 'گیتا' شامل ہے جو اخلاقی نصیحتوں اور فلسفیانہ مباحث پر مشتمل ہے۔ مہا بھارت ان کتابوں کی تقسیم و ترتیب کے لیے جو اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں، ان کے مترادفات یہ ہیں:

منڈل	کتاب / حصہ
کانڈ - سکنڈ	کتاب / حصہ
ادھیائے	باب
سرگ	باب
منتر / شلوک	شعر / Verse
سکت	نظم

بعض کتابوں میں اس کے علاوہ مزید ذیلی تقسیم بھی ہے۔

موجودہ ہندومت کے بنیادی ماخذ میں یہی کتابیں یعنی وید، گیتا، منو شاستر، رامائن، مہا بھارت، اپنشد اور پران شامل ہیں۔ یہ کتابیں مختلف قسم کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ یہ سب ہندوؤں کے نزدیک انتہائی مقدس اور مستند ہیں۔ ہندو مذہب کی مذہبی کتب کو آٹھ اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱- شروتی: مراد وہ تحریریں ہیں جو سنی گئی ہیں یا نازل کی گئی ہیں۔ یعنی اس زمرے کی کتابوں کو الہامی مانا جاتا ہے۔ اس میں وید اور اپنشد شامل ہیں۔

۲- سمرتی: وہ تحریریں ہیں جو یاد کی جائیں۔ شروتی کے بعد اس کی بہت اہمیت ہے۔ یہ کتابیں الہامی نہیں مانی جاتی لیکن ان کی اہمیت ہندوؤں کے ہاں بہت زیادہ ہے۔

۳- اتہاس: وہ کتابیں جن میں تاریخ بیان کی گئی ہے۔ ان میں مہا بھارت اور رامائن شامل ہے۔

۴- پران: پران کا مطلب 'قدیم' ہے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن میں دیوتاؤں اور بادشاہوں کی داستانیں دیومالائی انداز میں بیان کی گئی ہیں۔

۵- دھرشاستر اور سوتر: وہ کتابیں جو معاشرتی و مذہبی قوانین سے متعلق ہوں۔ ان میں

- منودھرم شاستر، ارتھ شاستر، نار دسمرتی اور دیگر کتب شامل ہیں۔
- ۶- آگم اور تانتر: یہ قانون، فلسفہ اور علم الہیات پر مبنی مختلف رشیوں کی کتابوں کا مجموعہ ہے جو شیو مت اور جین مت کے ہاں مستند اور الہامی مانی جاتی ہے۔
- ۷- درشن: ان میں ہندوؤں کے ایک خاص فلسفیانہ نظام کی کتابیں شامل ہیں۔
- ۸- ویدک لٹریچر: اس میں وید، اپنشد، برہمن اور ویدک علوم کی چھ کتابیں شامل ہیں۔
- یہ سبھی کتابیں چاہے اہم اس اور دھرم شاستر ہوں یا پران اور آگم وغیرہ۔ ہر ایک کتاب شروتی (الہامی) اور سمرتی (غیر الہامی) کے کسی ایک زمرے میں ضرور آتی ہے۔ بعض کتابیں ایسی ہیں جس کے متعلق ہندوؤں کے مختلف علما کا اختلاف ہے کہ وہ کتاب شروتی میں ہیں یا سمرتی میں۔ وید اور اپنشد شروتی یا الہامی کتب میں آتی ہیں جب کہ بقیہ سب کو بالعموم سمرتی کا حصہ مانا جاتا ہے۔

ہندومت کی تاریخ

نوع انسانی کے ہر مذہب میں یہ بات مشترک ہے کہ اس کی مذہبی روایت اور تاریخ کا ایک نقطہ آغاز ضرور ملتا ہے۔ یہ نقطہ آغاز عام طور پر کسی مقدس ہستی کے روحانی تجربے سے متعلق ہوتا ہے جسے گیان، موکش یا وحی کہا جاتا ہے۔ اہل مذہب اسی ہستی کی لکھی ہوئی کسی کتاب یا اس کے اقوال اور ارشادات سے مذہبی تعلیمات اخذ کر لیتے ہیں۔ لیکن جب ہم ہندو دھرم کی تاریخ جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں کی کوئی مرتب تاریخ نہیں ہے۔ ہندوستان کا وہ قدیم تمدن جس کی گود سے ہندومت نے جنم لیا، دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار کی جاتی ہے۔ لیکن ہم اس کی تاریخ کے بارے میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔

اگر ہمارے پاس اس دور کی تاریخ مرتب کرنے کا مآخذ ہے تو وہ صرف وید اور مذہبی کتابیں ہیں، جو ہندوؤں نے پانچ ہزار سال کے اپنے بے نظیر تمدن میں تصنیف کیں۔ مذہبی صحیفہ پُران، جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندوؤں کے ہاں تاریخ کی ہی کتاب شمار کی جاتی ہے، ہندوستان کی تاریخ پر قدرے روشنی ڈالتی ہے۔ لیکن یہ کتابیں بھی اپنی موجودہ صورت میں پہلی صدی قبل مسیح سے زیادہ پرانی نہیں ہیں۔ ان کتب میں تاریخ سے متعلق بہت کچھ معلومات ہے لیکن اساطیری روایات میں حقائق تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ تاریخ سے متعلق اس بد حالی پر تمدن ہند کے مصنف ڈاکٹر لیبان فرانسسیسی (1841-1931) تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قدیم ہند کی کوئی تاریخ ہی نہیں ہے۔ ان ہندوؤں کی کتابوں میں کوئی مطلقاً تاریخی واقعات درج نہیں ہیں۔ نہ ہی ان کی عمارتوں اور یادگاروں سے اس کی کوئی تلافی ہوئی ہے۔ کیونکہ پرانی سے پرانی یادگار بمشکل تیسری صدی عیسوی سے قبل کی ہے۔ علاوہ چند مذہبی کتابوں کے جن میں بعض تاریخی واقعات کہانیوں اور حکایات کے اندر دفن ہیں۔ قدیم ہند کے حالات معلوم کرنا اسی قدر مشکل ہے جیسا کہ اُس خیالی جزیرہ اٹلانٹس کا۔ جو بقول افلاطون انقلاب ارضی کی وجہ سے تباہ ہو گیا۔“

کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی اپنی کتاب ’ڈسکوری آف انڈیا‘ میں کیا ہے۔ ہندوستان کے اس تمدن کے بارے میں مورخین کی موجودہ تمام تر معلومات کا سرچشمہ آثار قدیمہ سے دریافت شدہ وہ مہریں اور دیگر سامان ہیں جن پر مختلف نقش و تصاویر کندہ ہیں۔ انھی دستیاب شواہد سے ہمیں جو دھندلی تاریخ ملتی ہے، اس کی تفصیلات ہم یہاں بیان کریں گے۔

ہندوؤں کے ہاں چونکہ تاریخ محفوظ کرنے کا کوئی خاص رجحان نہیں ہے، اس لیے مورخین مجبور ہیں کہ ہندوؤں کے مختلف بزرگوں کی تاریخ پیدائش و وفات محض اندازے سے تحریر کریں۔ اس کتاب میں شخصیات کے ساتھ جو تاریخ درج ہیں، وہ مختلف زاویہ نگاہ سے تحقیق کرنے کے بعد نقل کی گئی ہے اور میرے نزدیک زیادہ قرین قیاس ہے جس سے بالکل اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ تاریخ بتانے کا مقصد محض یہ ہے کہ قارئین کو پڑھتے ہوئے یہ معلوم ہو کہ وہ شخصیت کس زمانے کی ہے تاکہ اس زمانے کی سماجی حالت ذہن میں موجود رہے۔

ہندو تہذیب کے قدیم ماخذ

پروفیسر عماد الحسن آزاد فاروقی اپنی کتاب 'دنیا کے بڑے مذہب' میں لکھتے ہیں:

”برہمنی روایت، دراوڑ تمدن کے باقیات اور مقامی قبائل کے مذہبی عقائد اور رسومات، وہ تین اہم ماخذ ہیں جنہوں نے ہندو روایت کی تشکیل میں حصہ لیا۔ اگرچہ ان کے علاوہ ہندوستان میں وقتاً فوقتاً باہر سے آنے والی قوموں کے اثرات بھی ہندو روایت میں جذب ہوتے رہے۔ ان تمام روایات میں چونکہ برہمنی روایت کو سب سے زیادہ استناد اور غلبہ حاصل رہا، اس لیے ہندومت کو برہمنی روایت کا ہی جانشین تسلیم کیا گیا۔ بلکہ خود ہندو روایت کے اپنے عقیدے میں وہ ویدک اور برہمنی روایت کے تسلسل کا ہی نام ہے اور ہر ہندو عقیدے اور رسم کی سند ویدک ادب سے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ویدوں کا تعلق ہندومت سے حقیقی سے زیادہ رسمی ہے اور ہندو روایت کا ارتقا ویدوں کے تسلط سے آزاد رہ کر ہوا ہے۔“

ہندومت نے کس طرح کس دور میں تشکیل پایا؟ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب جاننے کے لیے نہ صرف ہمیں ہندوستان بلکہ یورپ، افریقہ اور وسطی ایشیا تک کی تاریخ کو ہزاروں سال پیچھے تک کھنگالنا پڑے گا کیونکہ ہندومت ایک ایسا مذہب ہے جو برصغیر کے وسیع و عریض سرزمین پر تشکیل پایا ہے لیکن اس کے ماخذ دنیا کی مختلف تہذیبوں میں ملتے ہیں۔ اس مذہب میں اس وقت نہ صرف قدیم ہندوستان کی سندھ طاس تہذیب، تامل، گنگا و جمنہا کے باشندے اور

شمال مغربی پاکستان کی قدیم قوم نے اپنا اپنا حصہ ڈالا ہے بلکہ قدیم زمانے سے ہی اس سرزمین پر مہاجر اور حملہ آور کی حیثیت سے آنے والی مختلف اقوام نے بھی ہندومت پر اپنی تہذیب و ثقافت کے اثرات چھوڑے ہیں۔ بنیادی طور پر آریا، مشرقی قبائل اور وادی سندھ کی تہذیب نے اس مذہب کو تشکیل دیا ہے۔

مذہبی روایات سے ماخوذ تاریخ

ہندوستان کی تاریخ کے بارے میں جین اور ہندوؤں کی مشترکہ روایات ہمیں کافی کچھ بتلاتی ہیں۔ سب سے پہلے ہم ہندوؤں کی مذہبی تاریخ پر ان سے کچھ مدد لے سکتے ہیں، جس کے مطابق نوح انسانی کے جد امجد سویم بھومنو کے پوتے راجا گنی دھر نے اپنے نو بیٹوں میں زمین کے مختلف خطے تقسیم کر دیے۔ ان میں موجودہ ہند کا خطہ بھدرسو (Bhadraswa) کے حصے میں آیا۔ یعنی مذہبی تاریخ کی بنیاد پر ہم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ ہندوستان آنے والا قدیم ترین گروہ یہی تھا۔ اس کی تاریخ کا تعین ہم حتمی طور پر نہیں کر سکتے البتہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ گروہ 7000 قبل مسیح سے پہلے کا ہی ہوگا جو ہزاروں برس پیچھے بھی جاسکتا ہے۔ بالفاظ دیگر یہ گروہ اصل میں ہندوستان کی قدیم ترین غیر متمدن سیاہ فام قوم تھی۔

پرانوں کے ہی مطابق ایک دوسرا گروہ گنی دھر کی اگلی نسل سے تھا۔ اگنی دھر کا ایک اور بیٹا نا بھی ناتھ بھی تھا جسے جین روایات میں براہ راست ووستھ منو یعنی نوح علیہ السلام کا مترادف بتایا جاتا ہے۔ اگنی دھر نے ان کو کیلاش کا برفانی علاقہ تفویض کیا تھا۔ مگر ان کی اولادیں اس کثرت سے تھیں کہ یہ ہند تک ہی آباد ہو گئے۔ رشب دیو بھی انھی کے بیٹے تھے جو جین مت کے پہلے تیر تھنکر یعنی پیغمبر سمجھے جاتے ہیں۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ جین مورخین پہلے تیر تھنکر کا تعلق وادی سندھ سے بھی بتلاتے ہیں۔ کچھ مورخین نے پہلے تیر تھنکر رشب دیو کا زمانہ 7000 BC کے قریب بتایا ہے لیکن جین مت کی مذہبی کتابیں اس بارے میں کوئی تفصیل بیان نہیں کرتی۔ یہ دور ہندوؤں کے مطابق ستیہ یگ تھا۔

ہندو روایات کے مطابق اسی دور کے آخر میں ایک عظیم طوفان یا سیلاب آیا تھا۔ اس

سیلاب کا ذکر ہم آگے کریں گے، البتہ جین روایات بتاتی ہے کہ سیلاب کے بعد کا یہ دور یعنی رشب دیو کی پیدائش کا زمانہ نسل انسانی کا تہذیب و تمدن میں قدم رکھنے سے پہلے کا دور تھا۔ انہوں نے ایک درخت کے نیچے مراقبہ کرتے ہوئے معرفت حاصل کی تھی اور پھر بعد میں انہی کی ہدایات کے مطابق انسانوں نے تہذیبی زندگی کا آغاز کیا۔ شادی، گھر اور خاندان کی تعمیر، کھیتی، تجارت، فنِ تحریر، ہتھیاروں کا استعمال اور اس قسم کے دیگر ہنر انہوں نے ہی لوگوں کو سکھائے۔ برسوں تک وہ انسانی دنیا کی قیادت کرتے رہے۔ گویا ان ہندوؤں کے نزدیک طوفانِ نوح کے بعد دنیا میں تہذیبی انقلاب برپا ہوا۔ رشب دیو کی وفات روایت کے مطابق کیلاش پہاڑ پر ہوئی۔

قدیم آریائی کلچر

(1500BC-4000BC)

ہندوستان میں وید کے اشعار تخلیق کرنے والے لوگ آریا کہلاتے ہیں۔ مقامی سیاہ فام نسل کے برعکس یہ سفید رنگ کے حامل تھے۔ یہ آریا اصل میں کون تھے؟ اور ان کا اصلی مسکن کہاں تھا؟ یہ سوال مورخین کے ہاں ایک دلچسپ اور معرکہ آرا بحث کو جنم دیتا ہے۔ ان کے اصلی وطن کا اندازہ روس، ترکی، شمالی یورپ، قازقستان، قفقاز اور سائبیریا کے علاقوں تک لگایا گیا ہے۔ یہ پورا خطہ یوریشیا کہلاتا ہے، جہاں گھاس کے میدانوں کی کثرت ہے۔ اس میں یورپ کا وہ مشرقی حصہ جو اب یوکرین کہلاتا ہے، مورخین اسے 'سائیتھیا' بھی کہتے ہیں۔ آریاؤں کے مسکن کے بارے میں یوریشیا کا نظریہ اس لیے بھی زیادہ مقبول رہا ہے کہ ہمیں اس خطے میں کئی قدیم ثقافتوں سے برآمد اشیاء ملتی ہیں جو ہندوستان میں بھی ویدک تہذیب کا خاصہ رہی ہیں۔ بالخصوص گھوڑے، اس کی قربانی، رختھ یعنی ٹانگہ اور دیوتاؤں سے متعلق اس خطے میں کثرت سے شواہد ملتے ہیں۔ ان میں سنناشت ثقافت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

آریا کوئی قومی اصطلاح نہیں ہے اور نہ ہی یہ گروہ ایک مشترکہ تہذیب و ثقافت کا حامل گروہ تھا۔ بلکہ انھیں مجموعی حیثیت سے صرف ان کے مشترکہ خطے اور سفید جلد کی ہی وجہ سے آریا کہا جاتا ہے۔ اپنا اصل وطن چھوڑ کر وہ جہاں بھی آباد ہوئے، وہاں کی تہذیب پر اثر انداز ہوئے اور خود بھی کئی طرح سے بدلتے رہے۔ آباد کاری اور مقامی اقوام سے اختلاط کی بدولت ان

کی زبان، معاشرت اور شکل و صورت میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہیں حتیٰ کہ صدیوں بعد نئے آنے والے گروہ کے لیے ابتدائی مہاجر گروہ بالکل اجنبی تھے اور سوائے زبان کے چند ایک مشترکات کے ان کے پاس کوئی ہم آہنگی نہ ہوتی تھی۔

بالعموم یہ کثیر الافراد قوم اپنے اصل وطن سے موسمی تبدیلی اور خوراک کی تلاش میں آگے بڑھتے گئے۔ ترک وطن کا یہ سلسلہ ایک دم نہیں ہوا تھا، بلکہ یہ ہجرت تقریباً چار ہزار سال قبل مسیح میں شروع ہوئی اور صدیوں تک چلتی رہی۔ آریا اپنے اصل وطن سے گروہ درگروہ یورپ میں جرمن، یونان، آئرلینڈ اور ایشیا میں ایران، قازقستان، ہندوستان اور جنوب مشرقی ایشیا کے آخری حصے تک پھیلتے گئے۔

قبل از تاریخ زمانے میں ان کا مذہب و رہن سہن یقیناً مشترک رہا ہوگا، یہی وجہ ہے کہ آج ہم یونانی، لاطینی، ایرانی اور ہندو یومالا (Mythology) کا تقابلی مطالعہ کرتے ہیں تو بہت سے مشترکات مل جاتے ہیں، لیکن بڑھتی ہوئی آبادی کے ساتھ ہی ان کے باہم اختلاف پیدا ہو چکے تھے اور 4000 قبل مسیح تک لوگ مختلف مذہب کے پیروکار بن چکے تھے، جس کی صورتیں یونان سے لے کر ہندوستان تک مختلف مذاہب کی صورت میں رائج ہوئیں۔

ہندی ایرانی آریا

برصغیر کے شمالی علاقوں کی سمت بڑھنے والا آریائی قبیلہ ویدک مذہب کا پیروکار تھا جنھیں ہندی ایرانی آریا کہا جاتا ہے۔ ایران میں آنے والا گروہ اس قدر بڑا تھا کہ آئندہ زمانے میں اس خطے کا نام ہی ایران پڑ گیا۔ یہ ویسے تو ہندی ایرانی آریا دو گروہ ہیں جن میں سے ایک ایران اور ایک ہندوستان سے تعلق رکھتا ہے لیکن ان کی خصوصیات اور کثرت مشابہت پر غور کریں تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دونوں قومیں کسی زمانے میں ایک ہی تھیں اور انھیں یہ خصوصیات یکساں طور پر ایک ہی ماخذ سے ملی تھیں۔ اولین طور پر یہ لوگ غالباً موسم کی سختیوں کے پیش نظر نئی زمین کی تلاش میں آگے بڑھنا شروع ہوئے۔ ہجرت کے لیے ان کے مختلف گروہ نے مختلف راستے اختیار کیے تھے۔ ان میں سے بعض گروہ نے ہمالیہ کے دروں کے راستے، بعض گروہ ترکی کے راستے اور بعض بحیرہ اسود کے بالائی راستے سے ترکمانستان اور بلخ سے ہوتے ہوئے ہندوستان میں آئے۔

پارسیوں اور ہندوؤں کی مشترکہ روایت کے مطابق 'پرلیا' یعنی ایک عظیم طوفان کی وجہ سے انھوں نے ہندوستان کا رخ کیا۔ پرانوں کے مطابق سویم بھومنو کی نسل میں سے ایک رشی ووسوٹھ منو تھے جنھیں جین مذہب کے لوگ نا بھ کہتے ہیں۔ جے بی متل (J.B Mittal) نے ان کی تاریخ 6000 قبل مسیح کے قریب بتائی ہے۔ رشب دیو کے ہندوستان میں آباد ہونے کے بعد ہی ایک عظیم طوفان یا سیلاب آیا جس کی وجہ سے ایک بار پھر منو کی اولادوں کو ہجرت کرنا پڑی۔ لیکن ان کی ہجرت انتہائی سست رفتاری کے ساتھ تھی۔ صدیوں تک یہ لوگ یورپ اور وسط ایشیا کے ارد گرد کے علاقوں تک محدود رہے لیکن 4000 قبل مسیح کے بعد ان کی پیش رفت جنوبی ایشیا کی جانب ہونے لگی اور 2000 قبل مسیح تک یہ لوگ ایران کے سرحدی علاقوں تک بڑی تعداد میں آباد ہو چکے تھے۔

اس وقت ایران کا بڑا حصہ غیر متمدن آبادی کی آماج گاہ تھا جب کہ اس کا علاقہ جو پاکستان کی سرحد سے ملتا ہے، وہاں وادی سندھ کے لوگوں کی بستیاں تھیں جس کی تاریخ 3000 قبل مسیح تک ہے۔ اس بات کا بھی امکان موجود ہے کہ اس اولین گروہ کے ہی بعض قبائل وادی سندھ میں بھی داخل ہو چکے ہوں کیونکہ اس دور میں وادی سندھ کے تاجر بھی پورے ایشیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ مشرق وسطیٰ میں ان کی تجارت ایران کے راستے ہی ہوا کرتی تھی۔ ایران اور اس کے سرحدی علاقوں تک پہنچنے والے یہ آریا زراعت پیشہ تھے، جو انھوں نے مقامی لوگوں سے ہی سیکھی تھی۔ یقیناً ان لوگوں نے وادی سندھ کے باشندوں سے مذہبی تعامل بھی کیا ہوگا۔

ہندی آریاؤں کا دین و مذہب

ہندوستان اور اس کے مغربی علاقے ایران اور افغانستان پہنچنے تک ان ہندی ایرانی آریاؤں کی زبان نے بھی کم و بیش وہی صورت اختیار کر لی تھی جو ہم وید اور ژنداوستا کے مشترکات کی صورت میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سنسکرت تھی لیکن اس سنسکرت سے قدرے مختلف تھی جس میں وید لکھے گئے۔ ہند آریائی زبانیں اور ایرانی زبانوں میں اس قدر مشابہت ہے کہ ماہرین یہ یقین رکھتے ہیں کہ یہ کسی ایک ہی مشترک زبان کی بولیاں تھیں۔ اس کی ایک جھلک رگ وید میں

گائتری منتر ہے جو ویدوں میں قدیم ترین طرز پر لکھی گئی نظم ہے اور اس کی زبان کی مماثلت اوستائی زبان سے بالکل واضح ہے۔ گزرتے وقت اور ماحول کے ساتھ ان کی زبان تبدیل ہوتی جا رہی تھی اور سنسکرت سے ہی پھر متعدد زبانیں ظہور پذیر ہوئیں۔ وید کے بعض منتر ان کے ہاں موجود تھے لیکن ان کی مذہبی حیثیت کے بارے میں کچھ بھی قطعیت کے ساتھ کہنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن رگ وید اور ژند اوستا کے مذہبی مشترکات کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی ہندی ایرانی آریاؤں کے قدیم مذہب کی بنیادیں تھیں۔

یہ آریائی معاشرہ بنیادی طور پر قبائلی معاشرہ تھا جو اگرچہ ذات پات کی سختیوں سے پاک تھا مگر ابتدائی تین طبقات برہمن، ویش اور کشتری موجود تھے اور ان میں مذہبی طبقے کی برتری کا تصور موجود تھا۔ بیشتر ماہرین کا خیال ہے کہ آریا جب اپنے وطن سے چلے گئے تو یہ اپنے آبائی مذہب کو حید پر قائم تھے۔ لیکن جب وہ ایران کے خطے میں پہنچے تو مقامی اثرات کی بدولت مظاہر پرست ہو چکے تھے۔ وید اور اوستائی شہادتوں کے مطابق اس دور کے لوگ مظاہر فطرت، دیوتاؤں اور مقدس ارواح کے قائل تھے اور ان کے یہاں تو حید بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود تھی۔ لیکن بنیادی طور پر یہ آتش پرست ہی تھے حتیٰ کہ رگ وید کے پہلے منتر میں ہی یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ اگنی کی پرستش ان کے قدیم اجداد کرتے آئے ہیں۔ اگنی کے علاوہ ان کے دیوتا عام طور آسمان سے تعلق رکھتے تھے، جس میں بادل، سورج، آسمانی بجلی، ہوا وغیرہ شامل تھے۔ لیکن ان میں دریا، پانی، آگ جیسے دیوتا بھی قابل ذکر مقام رکھتے تھے۔

بعض دیوتا ایسے بھی تھے، جو اخلاق و جذبات اور اجداد کی نمائندگی کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جب وہ متعدد دیوتاؤں میں سے کسی ایک کے گیت گاتے تھے تو اپنی فطرت میں پنہاں وحدانیت کا اظہار بھی کر لیتے اور بقیہ تمام دیوتاؤں کو اسی کے ماتحت کر دیتے تھے۔ خدا اور دیوتاؤں کی حمد و ثنا کے لیے ان میں کئی مقدس نظمیں موجود تھیں جسے بعد میں ہندوؤں کی مقدس کتاب وید کا نام دیا گیا۔ اپنی رسوم کی ادائیگی کے وقت یہ مقدس اشعار پڑھتے تھے، جو رگ وید میں محفوظ ہیں۔ پوجے جانے والے یہ سبھی اجداد اور دیوتا ایرانی آریا کے ہاں بھی پوجے جاتے تھے۔ رگ وید میں ان دیوتاؤں کے ساتھ آریا ایک خاص مشروب سوم رس کو بھی یاد کرتے

ہیں جو ایک مقدس مشروب تھا۔ یہ رس ایک پودے سے تیار کیا جاتا تھا جو قدیم ہندی اور ایرانی آریاؤں کے مشترک اجداد مذہبی رسم کے وقت پیتے تھے۔ سوم کو ایرانیوں کے ہاں ہوم کہا جاتا ہے اور اوستا میں اس کی قدر و منزلت بالکل رگ وید کے اس رس کی تجھد کی طرح ہے۔ اس سوم رس کی اصلیت متعین طور پر معلوم نہیں ہے۔ تاہم ہندوستان آنے کے بعد آریا سوم رس مقامی پودوں سے تیار کرتے تھے، جس کا ذوق ان میں زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا۔

آریوں کے ہاں عبادت کا سادہ سا طریقہ یہ تھا کہ خاندان کے لوگ مذہبی پروہت کی قیادت میں آگ جلا کر دیوتاؤں کی شان میں بھجن گاتے تھے اور ساتھ ہی آگ میں چاول، گھی وغیرہ بھی ڈالتے تھے جسے ہون کہتے ہیں۔ خاص موقعوں پر بھینڑ اور گھوڑوں کی قربانی کا بھی رواج تھا۔ ایران کی مید تہذیب کے لوگوں کے بارے میں بھی ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ سالانہ گھوڑے کی قربانی کرتے تھے۔ آریوں میں دیوتاؤں کی حمد و ثنا اور ہون کی یہ دونوں رسم گھر میں ہی ہوا کرتی تھی۔ ان کے ہاں نہ ہی کوئی خاص مندر تھے نہ ہی وہ پرستش کے لیے دیوتاؤں کی صورتیں رکھتے تھے۔ ہندومت میں مندر بنانے کا رواج اور بت پرستی اصلاً مقامی تہذیب کا ہی عطیہ ہے۔ سزا و جزا کے بارے میں رگ وید کوئی واضح تصور بیان نہیں کرتا، مگر مرنے کے بعد اچھی زندگی کے بارے میں بعض مبہم اشارے ملتے ہیں۔ گائے، بیل اور دیگر مویشیوں کی معاشی اہمیت یقیناً وید تسلیم کرتی ہے مگر اس بارے میں بھی مضبوط شواہد موجود ہیں کہ اس ابتدائی ویدک عہد میں ان کی کوئی خاص تقدیس نہ تھی بلکہ قربانی کے بعد انھیں بڑے اہتمام کے ساتھ کھالیا جاتا تھا۔ رگ وید کے جن حصوں میں گوشت خوری کی مذمت کی گئی ہے، وہ اشعار یقینی طور پر بہت بعد کی پیداوار ہیں۔

مصر، شام اور ترکی میں آریاؤں کی سکونت

اس بات کے کافی شواہد موجود ہیں کہ اپنا اصل مسکن چھوڑنے کے بعد ویدک آریوں کے کچھ گروہ ایران کے مغرب میں 'میدیا' اور بین النہرین کی سرحدوں تک آباد ہوئے تھے۔ کچھ عرصہ قبل ہی ترکی، مصر اور شام میں تحقیقات سے دو قدیم تہذیبیں سامنے آئی ہیں۔ یہ ہتی

اور متانی کی تہذیب تھی جو 1500 سے 1200 قبل مسیح تک رہی۔ ان تہذیبوں سے ایسے قدیم دستاویز ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے راجاؤں کے نام وہی تھے جو قدیم آریاؤں میں مشہور و معروف نام تھے۔ مثلاً متانی کے ایک راجہ کا نام 'دشرت' تھا، مہا بھارت میں بھی شری رام کے والد کا نام دشرتھ لکھا ہے۔ اسی طرح ان خطوط اور دستاویزات میں ورن، ناستیہ اور متراد یوتا کے نام ملتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہتی تہذیب کا مرکز بوگہ زئی سے جو کتبے ملے ہیں ان میں لکھی گئی بھی سنسکرت زبان سے ملتی جلتی ہے۔ انک، ترے، پنز اور ست آج بھی ہند آریائی زبانوں میں ایک، تین، پانچ اور سات کے الفاظ سے موجود ہیں۔ یہاں دریافت شدہ کتبوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وادی سندھ سے گھوڑے کے تاجروں کی آمد و رفت یہاں مسلسل رہتی تھی۔

رگ وید کا آٹھوں منڈل اس نظریے کی تائید بھی کرتا ہے کہ بین النہرین تہذیب کے آریا براہ راست اپنے مسکن سے یہاں آباد نہیں ہوئے تھے بلکہ ایران سے ہی وہاں ہجرت کر کے گئے تھے۔ اس دور میں ان کے تعلقات مقامی لوگوں سے برے نہ تھے، اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کے قدیم دیوتا متر، ورن وغیرہ بھی 'اشور' کہلاتے تھے۔ بعد ازاں ان میں سیاسی وجوہات کے پیش نظر دشمنی ہوئی تو 'سوز' یا 'اشور' ایک گالی کے مترادف بن گیا۔ رگ وید میں انھی کو 'سوز' کہا گیا ہے جنھیں وادی سندھ کے تاجروں کی حمایت حاصل تھی۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس منڈل میں اوستا سے مماثلت اور پردیس ہجرت کے اشارے بھی ملتے ہیں۔

آریاؤں کی ہندوستان آمد

ہم بتا چکے ہیں کہ آریہ 6000 قبل مسیح سے اپنے وطن سے ہجرت کر چکے تھے اور صدیوں تک ترکمانستان، قزاقستان، بلخ اور ایران میں آباد رہے۔ لیکن ان ویدک آریوں کا ایک گروہ ایسا تھا جو وادی سندھ کے عروج سے قبل یعنی طوفان کے فوراً بعد یہاں ہندوستان آباد ہو گیا تھا۔ ویدک آریوں کا یہ اولین خاندان ووسوتھ منو کے بیٹے اکشوا کو کا تھا جو 6000 قبل مسیح کے لگ بھگ غیر فاتحانہ انداز میں ہندوستان آچکا تھا اور اسی نے یہاں سورج بنسی سلطنت اور خاندان کی

بنیاد رکھی۔ اس کی اثری دلیل وادی سندھ سے برآمد ہونے والی آریائی علامت سواستک بھی ہے۔ یہ گروہ ہندی ایرانی آریاؤں کے ہی خاندان سے تھا اور ان کا مذہب بھی کم و بیش وہی تھا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ ہندوؤں کے مطابق شری رام کا تعلق 4000 قبل مسیح میں اسی قدیم آریائی گروہ سے تھا جو بہت پہلے ہندوستان آئے تھے۔ البتہ ان کے قبیلے نے ویدک مذہب سے واسطہ اس قدر جلدی منقطع نہیں کیا تھا جتنا کہ دیگر قبائل نے کر لیا۔ قدیم ہندو پران یہ بھی بتاتی ہے کہ رام کے بیٹے 'لو' نے ایک بستی لوہ پور بسائی تھی۔ اسی قدیم بستی کے آس پاس بسے دوسرے دیہات مل کر صدیوں بعد ایک شہر کی صورت اختیار کر گئے اور اسے 'لاہور' کہا جانے لگا۔ موجودہ لاہور میں یہ علاقہ 'اندرون شہر' یا Walled City کہلاتا ہے۔ پران اور رامائن کے مطابق شری رام اور ان کے خاندان سورج بنسی کا تعلق سندھ سے بھی تھا اور یہاں بھی اس خاندان کے افراد رہتے تھے۔ یہاں اس بارے میں تذبذب کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ کس طرح رامائن میں ویدک دیوتاؤں کے کردار کو شامل کیا گیا، کیونکہ رامائن تقریباً چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد مرتب کی گئی کتاب ہے جس میں بہت سے الحاقات کیے گئے۔

اس کے بعد 3200 یا 2000 قبل مسیح میں مزید قبائل آئے جن میں یادو اور ترسو خاص طور پر شامل تھے۔ یادو اور ترسو رگ وید کے مطابق سمندر سے آئے تھے۔ جو غالب گمان یہی ہے کہ بابل (Babylonia) کے راستے آئے تھے اور انھوں نے یہاں چند بنسی خاندان کی بنیاد رکھی اور وادی سندھ میں بڑی تعداد میں پھیلتے گئے۔ بعض مورخین کے نزدیک یہی وہ قافلہ تھا جسوں نے پتی اور متانی کی بنیاد رکھی۔ البتہ اس حوالے سے مختلف بات ہم اوپر نقل کر آئے ہیں۔

یہاں یہ بات سمجھنا اہم ہے کہ اکشوا کو اور اس کے بعد یادو اور ترسو جب ہندوستان آئے تھے تو ان کا مذہب ویدک مت سے قریب تر ہی تھا لیکن یقینی طور پر صدیوں کے فاصلے ہونے کی وجہ سے ان کا مذہب ایران کے ویدک مذہب سے قدرے مختلف ہو چکا تھا۔ سورج بنسی کے برعکس چند بنسی نے سندھی تہذیب فوراً قبول کر لیا تھا اور ان کی زبان بھی محفوظ نہیں تھی، حتیٰ کہ بعد کے آریاؤں نے ان کی زبان کے لیے 'مردھ رواج' کی اصطلاح استعمال کی ہے یعنی جن کی زبان مکمل طور پر قابل فہم نہ ہو۔ مذہبی اعتبار سے رگ وید میں یادو اور ترسو سے نو وارد

آریاؤں نے نفرت کے ساتھ داس، کہہ کر مخاطب کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ ویدوں کے بعض حصوں کو نہیں مانتے تھے اور اندر کی پوجا کے مخالف تھے۔ پران میں بھی ہمیں کئی مواقع پر شری کرشن اندر پوجا کی مخالفت کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ رگ وید کے آریا ابتدائی آریاؤں سے بالکل مختلف ہو چکے تھے۔ خاص طور پر ان میں جین روایات کے اثرات زیادہ تھے۔ وادی سندھ کی مادہ پرست گہا گہی سے دل برداشتہ لوگوں کے لیے جین مت اور بدھ مت کا روحانیت پسند رجحان یقیناً ایسا پُرکشش تھا کہ آریائی گروہ کے ایک سنجیدہ طبقے کو بھی اس کا حصہ بننے میں کوئی تردد نہ ہوا۔ حتیٰ کہ مہا بھارت اور بھاگوت پران میں بھی جا بجا یہ نوحہ ملتا ہے کہ کئی بادشاہ اپنی شاہانہ زندگی چھوڑ کر سنیا سی بن گئے۔

اب جب کہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ آریائی مہاجرین کے اولین گروہ کا تعامل سندھ طاس تہذیب کی آبادی سے بھی ہوا اور ان غیر متمدن آریاؤں نے سندھ طاس تہذیب سے تمدنی اعتبار سے بہت کچھ سیکھا۔ اس تناظر میں اس بات کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ کیوں ہڑپہ کے آثار ویدک تہذیب سے مماثلت رکھتے ہیں۔ اسی اولین گروہ نے یہاں سے یوگا سمیت دیگر اجزا اپنے مذہب میں شامل کیے ہوں گے۔ مہا بھارت میں ایسے کئی سراغ ملتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سندھ طاس کی تہذیب اپنے زوال کے بعد گنگا و جمن کی تہذیب میں ضم ہو گئی۔

روایات کے مطابق ہندوستان آنے والے قدیم آریا اپنے ایرانی بھائیوں سے لا تعلق نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے باہم اچھے تعلقات تھے۔ چنانچہ چھٹی صدی عیسوی کی ایک کتاب برہت سمہتا اور بھوشیہ پران کے مطابق مغوں کے اجداد کو شاک دوپیپ، یعنی مشرقی ایران سے شری کرشن کے بیٹے سامبانے بلا کر پاکستان کے پنجاب اور خیبر میں آباد کیا تا کہ یہاں سورج (سور یہ اور مترا) کی پرستش رائج کی جاسکے۔ غالباً یہ چھوٹا ویدک آریاؤں کا چھوٹا سا گروہ تھا جسے ہندوستان لا کر آباد کیا گیا تھا۔ مگر اس روایت پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ شری کرشن جو پوری زندگی میں آریائی طرز زندگی کے مخالف نظر آتے ہیں، ان کا بیٹا اس کا مبلغ کیوں کر بن سکتا ہے؟ بہر حال یہ قبیلہ شاک پہلے پہل ایران میں مغ، کی حیثیت سے آباد تھے۔ آج بھی برہمنوں کی یہ ذات شاک دوپیپہ برہمن، کہلاتی ہے اور اپنا تعلق ایران سے جوڑتی ہے۔

پرانوں کے مطابق ان کے جد امجد کا نام جارا سبدا تھا جو اصل میں قدیم زرتشتی روایات کے مطابق پیغمبر جارا شتر تھے۔ ان لوگوں کا مذہب سورج اور آگ کی پرستش تھا اور درحقیقت ویدک مذہب میں طبقاتی نظام اور آگ و سورج کی پرستش کا رواج انھی لوگوں نے شروع کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وید کی سب سے مقدس مناجات گائتری بھی اویستانی زبان سے بہت مماثلت رکھتی ہے اور اس کا دیوتا بھی سورہ ہے۔ شری کرشن کے دور کے بعد انھی کا ایک اور بڑا گروہ دوسری صدی قبل مسیح میں ہندوستان وارد ہوا اور پہلی صدی قبل مسیح تک ان کی اولادوں نے یہاں گندھارا خطے میں بادشاہت بھی قائم کی۔

داہیو

وید اور زرتشت لٹریچر میں ہمیں ایک لفظ 'داہیو' کا ملتا ہے، جو آریاؤں کے درمیان رہنے والا ایک مخصوص گروہ تھا۔ رگ وید میں ویدک آریاؤں کے دشمن کے طور پر ان کا نام نمایاں ملتا ہے۔ بہت سے محققین کا خیال ہے کہ یہ لفظ داس ہی کی صورت ہے جو اصل میں وادی سندھ یا ہندوستان کے مقامی باشندوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے لیکن ایرانی لٹریچر میں جس طرح یہ گروپ آریاؤں کے ہم وطن باشندے اور مثبت صفات کے حامل نظر آتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ قدیم زمانے سے ہی آریاؤں کے ساتھ رہے تھے۔ اس بارے میں محققین کا ایک گروہ یہ خیال کرتا ہے، اور ہماری رائے میں یہی بات درست ہے کہ داہیو دراصل ہجرت کرنے والا آریاؤں کے ہی وہ اولین لوگ ہیں جو ایران پہنچ کر وادی سندھ کی تہذیب سے خاصے متاثر ہو چکے تھے اور اپنا مذہب چھوڑ کر مقامی مذاہب کی پیروی اختیار کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رگ وید میں داسیوس یا داہیوس کے بارے میں کچھ نرمی دکھائی دیتی ہے، جب کہ داس جو کہ مقامی باشندے تھے، ان کے بارے میں قتل عام جائز سمجھا گیا۔

ہندی اور ایرانی آریاؤں کی علیحدگی

یہاں یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ 1800 قبل مسیح میں قدیم ایران اور آذربائیجان میں جب دین زرتشت کا ظہور ہوا اور ان کے عقائد کی اصلاح ہوئی تو علیحدہ ہونے کے باوجود بھائی چارگی سے رہنے والے آریاؤں کی ان دو شاخوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ڈاکٹر میورا اس اختلاف کی وجہ

یہ بیان کرتے ہیں کہ ہندوستان کے آریاؤں نے اپنے سابق دیوتاؤں کو چھوڑ کر اندر کی پوجا شروع کر دی تھی اور اسی کو سب سے زیادہ فوقیت دینے لگے تھے۔ اس پر خود ہندوستان کے بعض رشیوں نے بھی اعتراض کیا تھا، جس کا اشارہ ہم شری کرشن کے حوالے سے بھی کر چکے ہیں۔ یہ جھگڑا اس قدر بڑھ گیا کہ آریاؤں کے دونوں گروہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ یہ اختلافات مزید اس وقت بڑھ گئے جب ایران میں زرتشت کی تعلیمات سے توحید پرستی کا آغاز ہوا۔ ایرانی مصنف اسفندیار نے اپنی مشہور زمانہ کتاب 'دستان مذاہب' میں نقل کیا ہے کہ جب زرتشت کا ظہور ہوا تو وہاں کے قدیم مشرکانہ مذہب میں نمایاں تبدیلیاں ہوئیں۔ اس مذہب میں ہونے والی تبدیلیوں کا علم ہندوستانیوں کو ہوا، تو انھوں نے اس تبدیلی کے خلاف ردعمل کا اظہار کیا، اور دونوں کی خلیج بڑھتی گئی۔ یہ مذہبی چپقلش باہمی لڑائیوں کی بھی وجہ بنی۔ رگ وید میں ہمیں کئی ایسے بیانات ملتے ہیں، جو اہور یعنی اہورامزد کے پجاری اور اندر کے پجاریوں کے درمیان خوں ریزی کے قصوں پر مشتمل ہے۔ رگ وید میں ایک رشی کہتا ہے کہ میں یگیہ کر کے زمین و آسمان کو پاکیزہ کرتا ہوں۔ جو اندر کی پوجا نہیں کرتے، میں انھیں جلا ڈالوں گا۔ مذہبی تضاد کے باعث پیدا ہونے والی اس دشمنی کا یہ نتیجہ نکلا کہ موجودہ پاکستان کے علاقوں میں آباد پارسی ایران اور افغانستان کی جانب ہجرت کر گئے اور وہاں سے بھی کئی ہندو موجودہ پاکستان آ گئے۔

دیومالائی روایات میں اس فساد کی وجہ سے دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کے اجداد کو شیطانی قوتوں کے مترادف ٹھہرا دیا۔ مثلاً اہور پارسیوں کی مذہبی کتاب اویستا میں خدائے خیر ہے لیکن ہندیوں کے ہاں اُسور، خباثش روح، بدقماش اور بد مخلوق کے مترادف بن گئے۔ چنانچہ بعد میں آنے والے تمام برے کرداروں کو اُسور ہی بتایا گیا ہے، جو ہمیشہ دیوتاؤں سے برسریکا رہتے تھے۔ مذہبی روایات کے مطابق ان میں کچھ اچھے کردار کے اُسور بھی تھے جو ہندی آریاؤں کے ہم نوائے تھے۔ اسی طرح 'یم' جو جمشید کے نام سے اویستا میں انسانیت کو بچانے والا نجات دہندہ تھا آریاؤں نے اسے یم راج یعنی موت کا دیوتا بنا دیا۔ ایرانی آریہ بھی اس دشمنی میں پیچھے نہ رہے۔ انھوں نے بھی ہندیوں کے مقدس دیوتا اندر اور مورث اعلیٰ منو کو اندر امینو کی صورت میں خدائے شربنا دیا۔ ہندی آریاؤں کے اجداد دیو کو ان کے مشرکانہ تصورات کی وجہ

سے جنات کے مترادف ٹھہرا دیا۔ ہندی اور ایرانی اساطیر میں دیو، یم، اسور وغیرہ آج فوق البشر مخلوق سمجھی جاتی ہیں مگر حقیقتاً یہ آریائی گروہ کے اجداد ہی تھے۔ ہندی اساطیر آج بھی یہی کہتی ہے کہ اسور اور دیوتا کوئی الگ نوع نہیں بلکہ ایک ہی باپ دکش کی اولاد تھے۔

آریاؤں کی مزید آمد

جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا کہ آریہ قوم کے افراد مختلف زمانوں میں ہندوستان میں آتے رہے ہیں۔ ہندوستان آنے والے گروہ میں قفقاز کے سفید فام باشندے، ترکی کے زرد فام اور منگولی قوم خاص طور پر نمایاں تھیں۔ انہی کی نسلوں کو آج پختون، افغانی، جاٹ، راجپوت اور دیگر نسلوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ 1500 قبل مسیح کے بعد آریاؤں کی ایک اور لہر شمالی ایشیا سے ہجرت کر کے براستہ ایران ہندوستان میں داخل ہوئی۔ یہ ٹھیک وہی علاقے تھے جو آج پاکستان کا حصہ ہیں۔ افغانستان اور پاکستان کے جن مشترکہ دریاؤں کو آج ہم کابل، سوات، گولم، کرم اور بارو کہتے ہیں، ان سبھی دریاؤں کا نام ہندوؤں کی مقدس ترین کتاب رگ وید کے قدیم حصوں میں ہے۔ اسی بنیاد پر ماہرین یہ درست استدلال کرتے ہیں رگ وید کا بیشتر حصہ اسی خطے میں 1500 قبل مسیح کے بعد تخلیق کیا گیا جو اس دور کے تمدن کی بہترین عکاسی کرتی ہے۔

یہ نو وارد آریہ جنگجو تھے۔ ان آریاؤں کا ہمیشہ جنگ و جدل سے سابقہ رہتا تھا، اس لیے ان کے ہاں سب سے عظیم اور مقدس جنگجو دیوتا اندر ہی تھا۔ ان لوگوں نے ایران کے مقامی آریاؤں پر حکومت کی اور مشرقی ایران سے متصل پاکستان اور افغانستان کے سرحدی علاقوں سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔

وید کی مختلف حمد و مناجات میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ 1500 قبل مسیح کے بعد جب آریہ وادی سندھ میں داخل ہوئے تو یہاں وادی سندھ میں بعض شہر موجود تھے جہاں بنیادی طور پر دوقو میں آباد تھیں۔ ایک وہ قدیم آریائی گروہ تھا جو یہاں صدیاں گزر جانے کے بعد یہاں مقامی حیثیت سے رہنے لگے تھے، جب کہ دوسرے وادی سندھ کے باشندے تھے جن کی تہذیب پہلے ہی زوال تک پہنچ چکی تھی مگر ہڑپہ میں اس کی بعض بستیاں واقع تھیں۔ یہ لوگ مہذب اور قلعے

تعمیر کرنے کا ہنر جانتے تھے جنھیں اندر کی سرپرستی میں نو وارد آریہ تباہ کر رہے تھے۔ آریاؤں کے اس گروہ نے دونوں ہی طبقوں سے جنگیں کیں، چنانچہ رگ وید میں جو آریاؤں کے باہم جنگوں کے قصے ہیں وہ اسی بات کے غماز ہیں کہ بعد میں آنے والا گروہ مقدم گروہ سے لڑ کر ان پر حکومت کر لیا کرتا تھا۔ قدیم مقامی آریہ اور وادی سندھ کے سردمزاج باشندے بھی بڑی جانفشانی سے لڑ رہے تھے لیکن اکثر پلڑا آریاؤں کا ہی بھاری رہتا تھا۔ رگ وید میں متعدد اقتباس یہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح آریاؤں کے راجہ اندر نے ان کی بستیاں جلا دیں، ان کے قلعے مسمار کیے اور انھیں اپنا غلام بنا لیا۔ بعض مورخین ہڑپہ کی بربادی کا ملزم انھی آریہ کوٹھہراتے ہیں۔

متنوع قبائل

ہندومت کے ماخذ کو تلاش کرتے ہوئے سندھ طاس تہذیب کے علاوہ جنوبی ہند اور شمال مشرق میں ہمالیہ کے اس خطے کی جانب بھی اپنی توجہ ضرور کرنی چاہیے جو تبت، نیپال اور آسام کے ساتھ واقع ہے۔ ہندومت کی تشکیل بالخصوص موجودہ ہندومت کی روایت میں انھی قبائلی روایات کا سب سے زیادہ حصہ ہے۔ گو کہ ان قبائل کی تاریخ جاننے کا کوئی ذریعہ اس کے علاوہ نہیں ہے کہ ہم ان کی مبالغہ آمیز اور محرف اساطیری روایات کا مطالعہ کریں جو لوک داستانوں اور سینہ بہ سینہ مذہبی روایات کی صورت میں منتقل ہوئی ہیں۔ یہ اساطیر ان کی تاریخ 2000BC تک پیچھے دھکیلتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان اساطیری روایات میں حقائق تلاش کرنا ایک کٹھن مشق ہے۔ تاریخ سے متعلق اس اندھیرے کے باوجود یہ کہنا سجا ہوگا کہ یہ انھی قبائل کے مہون منت ہے کہ ویدک مت کا سادہ اور خشک سامدھب نئے دیوتاؤں اور اساطیری روایات سے زرخیز ہوا۔ بعد کے تین وید اور مہا بھارت ہمالیہ کے ان بہت سے قبائل کا ذکر کرتی ہے جو اس بات کی شہادت ہے کہ ہندومت کا ان سے ایک زبردست تعامل ہوا تھا اور اسی کی مجموعی شکل نے بعد میں ہندومت کی صورت اختیار کی تھی۔

زمانہ قبل از تاریخ میں جنوب مشرقی ایشیا سے ہجرت کرنے والے کئی گروہ بھارت کے شمال مشرق میں آباد ہوئے۔ ان آسٹریلوی سیاہ فام اور زرد نسل قبائل کا مذہب روحیت

(Animism) تھا۔ آج بھی ان میں سے بہت سے قبائل اپنے آبائی مذہب پر قائم ہیں لیکن ہندومت نے بھی انہیں اپنے دھارے میں شامل کر رکھا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں پوجا جانے والا مشہور دیوتا شیو بھی دراصل ایک ہمالیائی قبیلے کرات اور وادی سندھ کے کسی مقامی قبیلے کی ذین ہے۔ یہ دیوتا ہندوؤں کے مطابق تبت میں رہتا ہے۔ بعد ازاں اس میں ویدک اور دیگر اثرات شامل ہوئے۔

1000BC کے بعد جب آریہ مشرقی سمت میں آگے بڑھے۔ تو اڑیسہ، ناگ پور اور بنگال کے خطے میں انہیں منڈ (Munda) قوم کا بھی سامنا کرنا پڑا جو یہاں صدیوں سے آباد تھے۔ در اوڑکی نسبت جو آریہ کے آگے محکوم ہو گئی تھی اور ویدک تہذیب کا حصہ بن گئے تھے، منڈ قوم نے ہمیشہ سے ہی ان آریوں سے اپنا امتیاز قائم رکھا۔ آج بھی منڈ قوم کی اکثریت اپنے آبائی مذہب اور رسوم و رواج پر عمل پیرا ہیں۔ ان میں نہ ہی ذات پات کا نظام ہے، اور نہ ہی یہ لوگ ویدک رسومات سے ہم آہنگ ہیں۔ رگ وید میں آریائی دیوتا اندرا اور آہی (یعنی سانپ) کی لڑائی کا ذکر کئی مقامات پر ملتا ہے جو غالباً شاعرانہ تخیل کے ساتھ اس خانہ جنگی کی داستان ہے جو منڈ اور آریوں کے مابین رہی۔ لیکن اس مشاجرت کے باوجود برہمنوں نے ان سے بہت سے توہمات سیکھ کر اپنے مذہب میں شامل کیے۔

نیپال، بنگال، برما اور ہمالیہ کے تبتی نسل کے قبائل بھی نیپال اور ہندوستان کے میدانی علاقوں میں آباد ہو کر متمدن زندگی کا آغاز کر رہے تھے اور آریوں سے تعامل سے دونوں جانب مذہب تبدیل ہو رہا تھا۔ دوسری جانب وسط ایشیا سے آریائی ہجرت اب بھی جاری تھی۔ 1200BC کے بعد کے برہمنالٹریچر، پران اور یجر وید اور سام وید میں ہمیں پہلوا، شاک اور پر اداس جیسے کئی قبائل کا ذکر ملتا ہے جو اصلاً وسط ایشیائی تھے۔ یہ لوگ بھی اپنے معاشرتی عوامل کے ساتھ اس تہذیب کا حصہ بن رہے تھے۔

برہمنی عہد [700BC-1200BC]

برہمنی یا ویدک عہد کے آخری دور سے مراد وہ زمانہ ہے، جس میں برہمن، اپنشد اور دیگر کتب لکھی گئیں۔ رگ وید کے کچھ الحاقات بھی اسی دور کی تخلیق ہیں۔ اسی دور میں مختلف مذہبی رسومات کے موقع پر قدیم اشعار پڑھنے میں آسانی کے لیے ان کی زمرہ بندی (Catogirization) کر دی گئی اور مزید دو وید بنائے گئے، جنہیں یجر وید اور سام وید کہتے ہیں۔ ان دونوں ویدوں میں رگ وید سے اشعار حرف بہ حرف نقل نہیں کیے گئے، بلکہ ان کے ٹکڑے کر کے ان کے مفاہیم کو سمیٹ کر ان وید میں شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ تین وید تری ویدیا، کہلاتے تھے۔ ایک تیسری کتاب، اتھرو وید جس میں دراوڑ قوم کے اثرات زیادہ نمایاں ہوتے ہیں، بہت بعد میں شامل کی گئی۔ دیگر ویدوں کے برعکس اتھرو وید میں بھوت پریت کی پوجا اور زرعی معاشرے کی ایسی خصوصیات ملتی ہیں جو قدیم کلدانی قوم کے مشابہ ہیں۔

وید کے اس آخری دور میں دیگر دریاؤں کو چھوڑ کر ہندویشنا کا محور گنگا و جمنابن چکے تھے، جو اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اب ویدک تہذیب کے علم بردار گنگا و جمنابن کی وادیوں کو اپنا مذہبی مرکز بنا رہے تھے۔ جب کہ مشرقی ہند اور نیپال سے بھی کئی قبائل ہجرت کر کے یہاں آباد ہو چکے تھے۔ آریاؤں کا مذہبی سرچشمہ اب بھی وید ہی تھا جو مزید قدیم اور متبرک حیثیت اختیار کر چکے تھے لیکن اب یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مقامی اثرات، زبان کی تبدیلی اور ایک بڑا زمانہ گزر جانے کی سے رگ وید کے ان قدیم الفاظ کا پس منظر برہمن طبقے کے ذہنوں سے محو ہو رہے تھے۔ نیز نئی روایات کے ٹکڑوں سے پیدا ہونے والی تہذیبی کشمکش اور جدید خیالات کو قدیم ماخذ

سے مطابقت دینا بھی ضروری تھا۔ ان دونوں عوامل سے ایک نئے ادب کی تشکیل ہوئی جسے 'برہمن' کہا جاتا ہے۔ اس کا آغاز یقیناً وہ نثری عبارات ہیں جو یجر وید میں رگ وید سے منتر اخذ کر کے لکھی گئی ہیں۔ اسی اسلوب میں مذہبی پیشواؤں یعنی برہمنوں نے اپنے ہی طبقے کے استعمال کے لیے کتابیں لکھنا شروع کیں۔ ان برہمنوں کی ترتیب کی ہی وجہ سے بہت سے مذہبی فرقے وجود میں آئے جو اپنے اپنے وید پر مصر تھے۔ بعض دھرم سوتر بھی اسی دور میں لکھے گئے، جن میں گوتم دھرم سوتر خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

اختلاف کی ایک اور وجہ آریاؤں کی نو آمد شاخیں بھی تھیں جو اپنے ساتھ وید کا کچھ زبانی حصہ لائے تھے۔ ایسے ویدوں سے متعلق بھی آریاؤں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے باقیات آج بھی وید اور برہمنوں کی مختلف شاخوں کی صورت میں ملتی ہیں۔ ان کتابوں کا عہد 1200BC کے بعد سے 800BC کے درمیان کا ہے۔ اس ادب میں ہمیں جو بڑی معاشرتی تبدیلیاں نظر آتی ہیں ان کی بنیاد پر ہمارے پاس حقیقت تک پہنچنے کے لیے کافی شواہد موجود ہیں کیونکہ تینوں وید اس کے مبہم آثار فراہم کرتے ہیں۔

ہندومت کی تشکیل

ویدک تہذیب کے ساتھ نئی روایات کا اختلاط یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ دور ہندومت کی تشکیل میں ایک اہم سنگ میل تھا۔ غالباً اسی دور میں وید کے ماننے والے مہا بھارت اور پران میں بیان کی جانے والی قدیم اساطیر سے واقف ہوئے ہوں گے۔ اس سے پہلے کی مذہبی روایات میں وید کے اصل دیوتا چھائے ہوئے تھے، مگر اب ویدوں کے دیوتا غیر اہم ہو کر ان دیوتاؤں اور اساطیری روایات کو مذہب میں خاص جگہ مل جاتی ہے جو ہندوستان کے مشرقی و جنوبی سمت سے تعلق رکھتے ہیں۔ وید کے دیوتا نہ صرف غیر اہم ہوتے ہیں، بلکہ رزمیہ ادب میں یہ سبھی ویدک دیوتا اخلاقی اعتبار سے گراؤ کا شکار نظر آتے ہیں۔ ایک اور چیز جو اس دور میں ہندو الہیات میں شرک کا باعث بنی وہ وید میں خدائی صفات کو علیحدہ شخصیات ماننا تھا۔ وشنو، شیو، برہما، اور کئی دیوتا ویدک دیوتاؤں کی صفات تھیں جنہیں بعد ازاں علیحدہ ہستی تسلیم کر لیا گیا۔

بعض ہندو محققین کا خیال ہے کہ اس زمانے میں مذہب کے روحانی پہلو کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی اور ظاہری پہلو پر زیادہ زور دیا گیا۔ تین ویدوں کے قرآن سے بھی تسلیم کرنا مشکل نہیں ہے کہ اب مذہبی رسومات پیچیدہ ہوتی جا رہیں تھیں اور اسی ضرورت کے تحت برہمن لٹریچر تیار کیا گیا تھا۔ معاشرہ ابھی طبقاتی نظام سے آزاد تھا مگر ایک خاص طبقے 'برہمن' کے افضل ہونے کا تصور قائم ہونے لگا تھا۔

ویدوں کے بقیہ حصے اور برہمنادب طبقاتی نظام کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔ ایتر یہ برہمن کی ایک روایت میں سرسوتی کے کنارے مذہبی رہنما ایک پیاسے شہور کو سختی سے دھتکار تے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ اس کے لیے پیاس سے مر جانا بہتر ہے چہ جائیکہ وہ مقدس دریا سرسوتی سے پانی پیے۔ گو کہ برہمنادب میں اس نظام کے بارے میں اس قدر شدت نہیں ہے لیکن بہر حال برہمن، ویش اور کشتری کے علاوہ دیگر قبائل کا کم تر ہونے کا تصور سامنے آچکا تھا۔ قربانی کی عبادت کو مذہب میں اہم رسم کے طور پر اپنالیا گیا تھا۔ مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لیے ایک کثیر رقم خرچ ہوتی تھی جس کی وجہ سے اکثر غرباء اس سے محروم رہتے تھے۔ اسی وجہ سے معاشرے میں ایک ایسا طبقہ لوگوں کا مسیحا بن کر سامنے آیا، جس نے مذہب کی ظاہری عبادات کے بجائے اُن امور کو ترجیح دی جو خالص فلسفیانہ نوعیت کے تھے۔ ایسے میں ایک بڑی تعداد اُن تہائی پسند لوگوں پر بھی مشتمل تھی جو پیدائشی طور پر فلسفیانہ رجحان رکھتے ہیں۔ رگ وید کے آخری حصے میں، جو اسی دور سے تعلق رکھتا ہے، ہمیں ایک ایسا طبقہ نظر آتا ہے جو برہمنوں کے طبقے سے مختلف ہے۔ ویدی رشیوں کے درویش لوگ زرد اور گندے لباس پہنے، ہر وقت خاموش اور غور و فکر میں ڈوبے رہتے تھے۔ وید میں اس طبقے کو 'مٹی' اور 'وراتیہ' کہا گیا ہے۔ محقق بھاسکر کے مطابق یہ وراتیہ طبقہ دراصل جین مت کے پیروکار تھے۔ اس تناظر میں پران کی یہ روایت درست لگتی ہے کہ جین مت کے ایک مشہور تیرتھنکر (مصلح پینچمبر) رشب دیوراتیوں میں سے تھے جس کا تفصیلی تذکرہ ہم اوپر کر آئے ہیں۔

عام معنوں میں ہم اسے ہندوستانی تصوف کا آغاز کہہ سکتے ہیں، جس کے بانی یقینی طور پر وادی سندھ کے قدیم باشندے تھے اور انھی کی باقی ماندہ اولادوں نے اس دور میں اس رجحان کو

نئی زندگی بخشی۔ یہ لوگ معاشرے سے دور جنگل میں گوشہ نشین رہتے تھے اور نئے آنے والے لوگ ان کی شاگردی اختیار کر لیتے تھے۔ رہبانیت کے اس رجحان کے نتیجے میں سادھوؤں اور درویشوں کا ایک طبقہ وجود میں آیا جس نے آگے چل کر مذہبی معاملات میں غیر معمولی کردار ادا کیا اور یہی روایت آگے جا کر ہندومت میں یوگ رسم کا آغاز ثابت ہوئی۔

ان درویشوں کے شاگردوں نے اپنے راہب استادوں کی تعلیمات جمع کر کے اپنشد تدوین کی۔ دور جدید کے فلسفیانہ نظام کی طرح اس کتاب میں بھی خدا کو انسان کی انا بتلایا گیا اور اخلاقی قوانین کو نہایت دقیق طریقے سے سمجھایا گیا۔ بد قسمتی، نکالیف، مصائب اور نچلی ذات میں پیدا ہونے کے بارے میں خدا سے کوئی شکایت کرنے کے بجائے، اس کو انصاف پسند ٹھہراتے ہوئے، آواگمن اور کرم کا عقیدہ بھی اپنشد میں بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کیا گیا۔ یہ ایک ایسا عقیدہ تھا جس نے بعد کے ہندومت میں اساسی حیثیت حاصل کر لی۔

توحید کے مبہم آثار

ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں یہ بات بڑی دلچسپ رہی ہے کہ ایک طرف دیوتاؤں کی بھٹی ہوتی ہے تو دوسری جانب کوئی نہ کوئی مذہبی تحریک ان تخیلاتی دیوتاؤں کے ترک کی دعوت دیتی رہی ہے۔ چنانچہ اس دور میں بھی ہندومت میں جو تبدیلیاں ہو رہی تھیں، ان میں جہاں ہمیں روحانیت کا ایک عروج نظر آتا ہے، وہیں ایک مبہم توحید کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں مجموعی سطح پر کوئی خارجی عنصر تھا جو ہندومت کی اصلاح کی کوشش کا ضامن بن رہا تھا۔ ویدوں میں جہاں متعدد دیوتا ہمیں ملتے ہیں، وہاں اپنشد، گیتا اور ان کے معاون ادب دیوتاؤں کی پرستش کی کھلی ممانعت کرتے ہوئے تمام دیوتاؤں کو ایک ہی ہستی اعلیٰ کے مظاہر قرار دیتی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک مقام پر وید بھی تمام دیوتاؤں کو ایک ہی حقیقت اعلیٰ کے مختلف نام قرار دیتی ہے۔ ہندو کے اعلیٰ دماغ مقلدین اس کے قائل ہوئے مگر عملی زندگی میں ہندوؤں کی اکثریت وحدانیت کو قبول کرنے سے قاصر رہی اور ان کتب کی توحید کو فرقہ وارانہ مشاجرت کی بھینٹ چڑھا دیا۔

چین مت اور بدھ مت کا عہد

(400BC-600BC)

اپنشد کے علاوہ اس دور میں جن مذہبی تحریکوں کو عروج حاصل ہوا، ان میں سے بدھ مت اور چین مت کی تحریکیں آج تک موجود ہیں۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ چین مت اور بدھ مت کی مقدس کتابیں اگرچہ مذہبی ہیں لیکن ان کتابوں میں جو روایات اور حکایتیں محفوظ ہیں، ان کے باعث چھٹی صدی قبل مسیح کے دور کی تاریخ کی تفصیلات گزشتہ ادوار کی نسبت، قدرے زیادہ نظر آتی ہیں۔ اس دور میں ہمیں سولہ بڑی سلطنتوں کا وجود ملتا ہے۔ جن میں مشہور ترین مگدھ، وئش، کوشل اور کورو تھے۔ اس کے علاوہ کئی جمہوری یا خود مختار قبیلے بھی تھے۔ یہ سارا سیاسی منظر دریائے سندھ سے لے کر نیپال تک قائم تھا۔ تقریباً چھٹی صدی سے چوتھی صدی قبل مسیح کا یہ زمانہ تاریخ مذاہب میں خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی عہد میں چین میں کنفیوشس اپنی تعلیمات عام کر رہے تھے، ایران میں مجوسیت کا ظہور ہوا تھا، فلسطین میں بنی اسرائیل کے انبیا اپنی دعوت پھیلا رہے تھے اور سرزمین ہند میں مہاویر اور گوتم بدھ عدم تشدد کی تبلیغ کر رہے تھے، جنہوں نے چین مت اور بدھ مت کی بنیاد ڈالی۔ اس زمانے کو ایک جرمن مفکر کارل جیسپر نے 'ایکسیل ایج' (Axial Age) کے نام سے یاد کیا ہے اور اسے نسل انسانی کی عظیم روحانی چھلانگ قرار دیا ہے۔

گوتم بدھ

گوتم کوئی عام انسان نہیں تھے بلکہ ایک عہد ساز شخصیت کے مالک تھے۔ لگ

بھگ 563BC یا 623BC میں موجودہ نیپال میں شاکیہ قبیلے کے قریب ان کی ولادت ہوئی۔ اگر ہم ہندو روایات کی روشنی میں ان کے زمانے کا تعین کریں تو 1800BC کا دور بنتا ہے، لیکن مورخین 500BC اور 623BC کے قریب دور کو ہی صحیح مانتے ہیں۔

گوتم بدھ کا خاندانی نام گوتم تھا اور حقیقی نام سدھارتھ رکھا گیا۔ گوتم بدھ سے منسوب قدیم روایتیں بتاتی ہیں کہ وہ پورے شاہانہ طریقے سے پرورش پا رہے تھے اور انہیں ہر نعمت میسر تھی۔ سولہ سال کی عمر میں ان کی شادی ان کے چچا کی بیٹی لیشودھا سے ہوئی اور دس سال بعد ایک اولاد بھی ہوئی۔ شاہی گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود ان کا دل دنیا سے بالکل اچاٹ تھا۔ فقیروں، درویشوں اور کچھ دوسرے واقعات کا مشاہدہ کر کے وہ جان گئے تھے کہ شاہانہ طرز زندگی کبھی ان کی روح کی تشنگی نہیں بجھا سکے گی۔

نوجوانی میں ہی وہ اپنا عالی شان گھر، بیوی بچے سبھی کو چھوڑ کر فقیرانہ لباس پہن کر نجات کے حصول کے لیے ان جانے سفر پر نکل گئے۔ اپنی روح کی تسکین کے لیے انھوں نے کچھ فلاسفہ سے ہندوستانی فلسفہ بھی سیکھا لیکن پھر بھی دل کو وہ سکون قلب میسر نہیں ہوا جس کے وہ طالب تھے۔ آخر ان سب سے بے زار وہ جنگل میں ایک پیپل کے پیڑ کے نیچے گوشہ نشین ہو گئے اور وہیں اپنی ریاضت و مراقبہ شروع کر دیا۔ ایک طویل عرصے تک گوتم اپنے مراقبے میں رہے۔ تقریباً پینتیس سال کی عمر میں بہت آزمائشوں، مراقبوں اور ریاضتوں کے بعد انہیں وہ ذہنی سکون مل گیا، جس کے وہ متلاشی تھے۔ بدھ روایت میں اسے 'نروان' کہا جاتا ہے۔

اس دوران بہت سے لوگ ان کے مرید بن چکے تھے۔ گیان حاصل کر لینے کے بعد گوتم نے بہت سے ممالک کے سفر کیے اور اپنے مسلک کی تبلیغ کی، جس کے نتیجے میں بے شمار لوگ ان کے معتقد بن گئے۔ گوتم کا انتقال اسی برس کی عمر میں، پیروا کے مقام پر ہوا۔ اگرچہ گوتم بدھ دنیا کی مشہور ترین مذہبی شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ مگر انھوں نے کوئی باقاعدہ کتاب پیش نہیں کی۔ گوتم کے احوال و اقوال اور تعلیمات سبھی ان کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد مرتب ہوئے۔ بدھ مت کی تعلیم کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ نفسانی خواہشات کو فنا کرنے سے ہی انسان نجات یعنی نروان حاصل کر سکتا ہے۔ بدھ مت دراصل کوئی نیا مذہب نہیں تھا بلکہ اس وقت

کے لوگوں کے لیے ایک اخلاقی نظام تھا۔ یہ ایک ایسا فلسفہ تھا جس نے ہند اور قدیم چین کی مختلف روایات اور عقائد کا احاطہ کیا ہوا تھا۔ اس کی تعلیمات میں بت پرستی، ذات پات کی تفریق کی ممانعت خاص طور پر قابل ذکر تھی۔ لیکن چونکہ اس میں خدا کا کوئی بالکل واضح تصور نہ تھا، بلکہ ہر ایک کو خود غور و فکر اور مراقبہ کی دعوت عام تھی، لہذا اس کو تسلیم کرنے والوں نے بعد میں اپنے سابق دیوتاؤں کو بھی بدھ مت میں شامل کر لیا اور بعد ازاں بدھ مت کی باقاعدہ تدوین نے بھی اسے ایک جدا مذہب کی حیثیت دے دی، جب کہ اکثر علاقوں میں بدھ مذہب سے خدا کا تصور ہی خارج ہو گیا۔

جین مت

ہم پڑھ آئے ہیں کہ قدیم ہندو دھرم کی ظواہر پرستانہ روایت کے خلاف اور کتی (نجات) کے حصول کے لیے بدھ مت کی طرح کے کئی مکاتب فکر وجود میں آ گئے تھے۔ بیش تر مکاتب فکر برہمنی مذہب سے شدید اختلافات رکھتے تھے۔ ان میں سے کئی گزرتے زمانے کے ساتھ ختم ہو گئے اور کچھ موجودہ دور تک پائے جاتے ہیں۔ انہی میں سے ایک مکتب فکر جین مت کا تھا۔ عام طور پر اس مذہب کا بانی مہاویر وردھمان (527BC-599BC) کو مانا جاتا ہے، جو مہاویر کے نام سے مشہور ہیں۔ لیکن محققین کا خیال ہے کہ جین مت کے تصورات پہلے سے ہندو معاشرے میں موجود تھے اور ایک ایسا طبقہ موجود تھا جو مذہب میں پائی جانے والی ظاہر پرستی اور شرکیہ رسوم سے بے زار تھا۔ اسے ویدوں میں منی اور راتیا کہا گیا ہے۔ اس طبقے میں گوتم بدھ پیدا ہوئے اور انہی کے ایک ہم عصر مہاویر بھی تھے۔ مہاویر ایک شاہی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے لیکن تیس برس کی عمر میں نجات کے حصول کے لیے شاہی گھرانے کو چھوڑ کر فقیرانہ لباس میں ہجرت کی اور راہبانہ زندگی اختیار کر کے ریاضت میں مشغول ہو گئے۔

تقریباً بیالیس برس کی عمر میں انہیں اپنی ریاضت کا ثمر یعنی گیان اور حقیقی معرفت حاصل ہوئی جسے جین مت میں 'کیول جنانا' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ گیان کے حصول کے بعد

تیس سال تک وہ اپنی تعلیمات کی تبلیغ کرتے رہے اور کئی ممالک کے سفر کیے۔ بالآخر ستر سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی۔ اگرچہ جین مت کی بنیاد انھوں نے نہیں ڈالی لیکن انھوں نے اس مذہب کو حیاتِ نو بخشی۔ اسی لیے انھیں اس مذہب کا بانی بھی مانا جاتا ہے۔

ہندوستانی اقوام کا اختلاط

رزمیہ اور پرانوں کے عہد میں جس طرح ویدک کرداروں کا کثرت سے تذکرہ ملتا ہے اس سے یہ بات باقین کہی جاسکتی ہے کہ 1000BC کے بعد یہاں ویدک مت مقامی روایات سے مخلوط ہو رہا تھا۔ ویدک قوم میں اپنی غیر متمدن عادات و اطوار کے کچھ باقیات موجود تھے جو جنوبی ہند اور مشرقی خطے کے لوگوں نے اپنا لیے تھے۔ اسی طرح ویدک تہذیب کے علم بردار بھی غیر اقوام کے دیوتا کو اپنے دامن میں جگہ دے چکے تھے۔ چنانچہ اب برہما کے ساتھ شیوا اور وشنو کی پوجا بھی کی جانے لگی تھی جو اصلاً ویدک دیوتا نہ تھے۔ اس اختلاط کی پہلی واضح ترین مثال ہمارے سامنے رزمیہ ادب ہے جو دراصل سینہ بہ سینہ چلتی ہوئی لوک داستانوں کا مجموعہ ہے۔

500BC سے 500CE رزمیہ کتابوں اور فلسفیانہ سوتروں کا دور ہے۔ ان سوتروں اور رزمیہ ادب میں جس طرح بدھ مت اور جین مت کو مکمل طور پر نظر انداز کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی یہ دونوں مذاہب اپنے ابتدائی دور میں ہی تھے۔ تاہم ان کتابوں میں ہمیں راہبانہ طرز زندگی، اہنسا اور آسٹک یعنی وید پر عدم اعتماد کے قائلین پر جو تنقید ملتی ہے اس سے یہ بات یقینی ہو جاتی ہے کہ ان کتابوں کے زمانے تک جین مت اور بدھ مت کے مماثل عام تصورات فروغ پا رہے تھے۔

منظوم کتابوں اور پرانوں کا عہد (500BC-500CE)

500BC سے 500CE تک ایک ہزار سالہ دور ہندوستان کی تاریخ کو بالخصوص ہندومت میں ایک سنہرے دور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ علمی، عملی، تمدنی، دنیوی اور دینی علوم کی ترقی کے اعتبار سے یہ دور انتہائی شاداب و شگفتہ تھا۔ اس باب میں ہم ہندوؤں کے گولڈن ایج کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے۔

بدھ مت اور جین مت کا عروج

رزمیہ کتابوں کی تدوین کے فوراً بعد بدھ مت اور جین مت کے عروج کا دور آتا ہے۔ گوتم بدھ اور مہاویر نہ صرف ہم عصر تھے بلکہ ان دونوں کی سیرت میں بھی کافی مماثلت پائی جاتی ہے اور دونوں کے ہی مسلک مروجہ ہندو مذہبیت کی خامیوں کو دور کرنے کے لیے رائج ہوئے تھے۔ ان دونوں مذاہب نے ویدوں کو کلام الہی ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ان مذاہب نے ابتدا میں ذات پات کی شدید مخالفت کی، جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لوگ ان مذاہب کو قبول کرنے لگے۔ لیکن ان مذاہب میں خدا اور موت کے بعد کی زندگی سے متعلق واضح تصورات موجود نہیں تھے۔ ان کی تعلیم کا خاص محور اخلاقیات اور رہبانیت کی تبلیغ تھا۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے نظری رجحانات کے بجائے یہ ایک عملی فلسفہ تھا، جس کا تعلق براہ راست انسان کی عملی و معاشرتی زندگی سے تھا۔ دونوں مذاہب کسی دیوتا یا خدا کی عقیدت مندی سے دور علم و عمل اور

اعلیٰ اخلاقی مقام کے حصول کے لیے کوشاں تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان مذاہب میں مذہبی عقائد کا باب خالی رہ گیا۔ چونکہ انسان کی یہ نفسیات ہے کہ وہ کسی برتر ہستی کے سامنے سر جھکانا چاہتا ہے۔ اس وجہ سے ان مذاہب کے ماننے والوں نے ہندوستان کی مقامی روایت کی پیروی کرتے ہوئے مہاویر اور بدھ کے مجسمے بنائے اور ان کی پرستش شروع کر دی۔

بدھ مت جب ہندوستان میں پھیلنا شروع ہوا تو اس وقت یہاں کئی معاشرتی برائیاں پائی جاتی تھیں۔ بدھ مت بہت سی برائیوں سے پاک تھا، اس کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھلا تھا، اس وجہ سے بہت ہی کم عرصے میں برق رفتاری سے یہ مذہب ہندوستان میں پھیلتا چلا گیا۔

300BC کے بعد یونانی فوج کے ساتھ اسکندر (356Alaxanderr - 323BC) نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ ہندوستان کو اپنی یونانی سلطنت کے ساتھ ملحق کر دے۔ لیکن یہاں کے ہندوؤں نے اس کی بھرپور مزاحمت کی۔ جس کی وجہ سے اسکندر تمام عرصے ہندوستان پر قابض ہونے کے لیے جنگ و جدال میں مصروف رہا اور ہندوستان پر مستحکم اقتدار حاصل کیے بغیر 325BC میں واپس اپنے وطن لوٹ گیا۔ اسکندر کے واپس جانے کے کچھ عرصے بعد ہندوستان میں چندرگپت مور یہ (322-298BC) کی سلطنت قائم ہوئی۔ دو بادشاہوں کے بعد اسی خاندان کے تحت اشوک بادشاہ (232-268BC) کی حکومت قائم ہوئی۔

مورخین کے مطابق اشوک ابتدا میں ایک ظالم حکمران تھا، جس نے اپنی سلطنت کی وسعت کے لیے لاکھوں انسانوں کا قتل کیا تھا۔ لیکن بعد میں ان کی زندگی میں مذہبی انقلاب برپا ہوا، ان کا دل بدھ مت کی طرف راغب ہوا اور بالآخر اپنے عہد میں وہ بدھ مت کے عظیم ترین مبلغ بن کر ابھرا۔ انھوں نے گوتم بدھ کے تبرکات محفوظ کرنے کے لیے بے شمار عبادت گاہیں بنوائیں جنہیں 'اسٹوپا' کہا جاتا ہے۔ بدھ مت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے انھوں نے بدھ مبلغین کی کئی کانفرنس منعقد کروائیں، تعلیمی ادارے قائم کیے اور ہندوستان کے طول و عرض میں گوتم بدھ کی تعلیمات مختلف زبانوں میں ستونوں اور کتبوں کے ذریعے عام کیں۔ یہ آثار آج بھی ہندوستان اور پاکستان کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔

اشوک نے بدھ مذہب کی اشاعت کے لیے مبلغین کو تعلیم و تربیت کے بعد نہ صرف

ہندوستان کے طول و عرض میں، بلکہ دیگر ممالک میں بھی بھیجا۔ اس کی اسی دعوتی تحریک کی وجہ سے بدھ مت مشرقی ممالک میں پھیلا۔ اشوک کے بارے میں معروف ہے کہ وہ ایک جنگ میں انسانوں کی بڑی تعداد کے قتل سے متاثر ہوا اور انھوں نے آئندہ جنگ کرنے سے توبہ کر لی اور اپنی زندگی کو انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کر دیا۔ بدھ مت کی اشاعت ہندوستان کے جنوبی اور شمالی علاقوں (موجودہ پاکستان) میں ہوئی جب کہ چین مت زیادہ تر مغربی ساحلی پٹی پر پھیلا۔ اس کے ساتھ ساتھ بدھ مت کی دعوت سمندر کے راستے جنوب مشرقی ایشیا میں پھیلی اور موجودہ سری لنکا، برما، ویت نام، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، ملیشیا اور فلپائن کے علاقوں میں بدھ مذہب کو فروغ حاصل ہوا۔ دوسری طرف شمالی علاقوں سے یہ چین میں داخل ہوا اور پھر منگولیا، کوریا اور جاپان تک جا پہنچا۔

پرانوں کا عہد

مذہبی عقائد میں تقسیم کے لحاظ سے پرانوں کے دور کو ہم فرقہ بندی کا دور بھی کہہ سکتے ہیں، جس کا آغاز 300BC کے بعد سے 500 عیسوی تک ہے۔ ہم نے دیکھا کہ اس سے ماقبل زمانے میں ہندوستان میں بدھ مذہب اپنی امتیازی خصوصیات کے باعث خوب پھیل رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ چین مذہب نے بھی اپنی جگہ بنا رکھی تھی۔ ان مذاہب کی کامیابی کے عوامل کئی تھے جن میں سب سے نمایاں یہ تھا کہ ہندو معاشرہ دو بڑے طبقات میں منقسم تھا۔ ایک طرف راہبانہ طرز زندگی کا حامل وہ طبقہ تھا جو اپنشدی (فلسفیانہ) خیالات کا حامل تھا تو دوسری طرف ادنیٰ طبقے کے لوگ خود پر ہونے والے امتیازی رویے اور ظلم و جور سے کراہ رہے تھے۔ ایسے میں بدھ مت ان دونوں کے لیے ان کی پریشانیوں کا حل تھا۔ ویدک دھرم کو ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد اس میں شامل ہوتی رہی۔ لیکن اس اشاعت کے عوض بدھ مت کے ماننے والوں کو اس میں ہندوؤں کے نظریات کو شامل کرنا پڑا۔ کچھ ایسا ہی معاملہ چین مت کے ساتھ بھی ہوا۔

دوسری جانب بدھ مت کے فروغ سے ہندوؤں کے مذہبی گروہ یعنی برہمنوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ چین مت اور بدھ مت تیزی سے لوگوں میں رواج پا رہا ہے تو انھوں نے

اپنے مذہب کی تجدید و اصلاح (Reformation) کا کام شروع کیا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس دور میں ہندومت کے احیاء کا مرکز وہی خطہ بنا جہاں آریاؤں کی قدیم اکشوا کو سلطنت قائم تھی۔ موجودہ پشاور، چارسدہ، ٹیکسلا اور گندھارا خطے میں واقع کئی شہروں سے چانکیہ اور پاننی جیسے عہد ساز ہندو دانشورا اٹھے اور ہندومت کو رزمیہ ادب کی زرخیز روایات سے جلا بخشی۔

اس دور میں ویدوں کے مطالعے کے لیے ایک غیر معمولی سرگرمی پیدا ہوئی اور اس کے لیے نئے علوم ایجاد کیے گئے۔ مذہبی زبان سنسکرت پر بھی اس دور میں بہت کام کیا گیا۔ اس زمانے میں جن علوم پر کتابیں لکھی گئیں، ان میں اہم دھرم سوتر، شاستر (قوانین)، سنسکرت زبان کی گرامر، علم نجوم، عروض (اشعار کو ہم وزن بنانے کا فن) اور مذہبی عبادات و رسوم پر مبنی کتابیں شامل تھیں۔ ان میں وہ چھ کتابیں جو ویدانگ، کہلاتی ہیں موجودہ ہندومت میں بھی ویدوں کے فہم کے لیے اہمیت رکھتیں ہیں۔ موجودہ ہندومت کے رجحانات کو دیکھا جائے تو تاریخی لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسی دور میں عوامی زبان پر راج رام و کرشن کی کہانی کو از سر نو مرتب کیا گیا اور اس میں ویدک کرداروں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ موجودہ ہندومت کی تشکیل کے لیے ستون کھڑے کیے گئے، جسے پران کے لٹریچر نے مکمل کیا۔

پران ہمارے لیے ہندوؤں کی تاریخ جاننے کا اہم ماخذ ہے۔ پرانوں میں دو طرح کے رجحانات ہیں۔ پہلا رجحان جو واضح طور پر نظر آتا ہے وہ پرانوں میں مختلف دیوتاؤں کی باہم شرانگیزی ہے۔ مختلف دیوتا باہم لڑائی جھگڑا کرتے ہیں، جن میں ہر ایک فرقہ اپنے ہی دیوتا کو فاتح بنا کر کہانی پیش کرتا ہے۔ اس کے پیچھے وجہ غالباً یہ رہی کہ مختلف قبائل اپنے اپنے خدائے اعلیٰ کو ہی حقیقی خدائے اعلیٰ سمجھتے تھے۔ لیکن جب ان کا باہم تعامل ہوا تو مذہبی منافرت نے بھی جنم لیا اور کم ذہن لوگوں نے صرف اسی نام کو ہی خدائے اعلیٰ قرار دیا جس کے وہ خود پجاری تھے۔ جب کہ دیگر دیوتاؤں کے بارے میں ہتک آمیز کہانیاں گھڑنے میں انہوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ایک دوسرے کے خدائوں کی گستاخی کے لیے عجیب و غریب واقعات پیش کیے۔

دوسرا رجحان اس وقت بھی ہمیں توحید کا ملتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی خارجی قوت اب بھی اس تعلیم کی علم بردار تھی کہ ہر قبیلے کا خدائے اعلیٰ گو کہ الگ نام رکھتا ہے مگر فی الحقیقت

ایک ہی ہے۔ گیتا اور صوفیانہ لٹریچر میں یہ فکر ہمیں زیادہ واضح ملتی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ شیو سے ملتے جلتے کسی دیوتا کی پرستش ہڑپا تمدن میں بھی کی جاتی تھی اور مشرقی ہند کے قبیلے کھاس اور کرات کے ہاں بھی شیو جیسا کوئی دیوتا موجود تھا۔ آریاؤں کے یہاں شیو کا بہترین مترادف رُدر تھا اور اسی کی ایک صفت شیو بھی ویدوں میں بیان کر دی گئی تھی۔ اس دور میں ہمیں ان سبھی مقامی دیوتاؤں کا ایک شخصی اتحاد نظر آتا ہے جس کے نتیجے میں شیو کو کوئی مقبول عام دیوتاؤں سے وابستہ کر دیا گیا اور یہ مسلک عوام میں ابھرنے لگا۔

سماجی اعتبار سے ہندومت کو موثر کرنے کے لیے ویدوں سے استنباط کرتے ہوئے مذہب کے دائرہ کار کو بڑھا کر مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے قوانین مرتب کیے گئے جنہیں شاستر اور سوتر کہا جانے لگا۔ ویدوں کی تدوین نوکی گئی۔ پران، جن کی حیثیت تاریخ اور لوک داستانوں کی سی تھی، ان کی اہمیت بڑھائی گئی تاکہ عوام کے سامنے دیوتاؤں کے کارنامے خوب صورت انداز میں پیش کیے جاسکیں اور انہیں اس دلچسپ برہمنی مت کی طرف مائل کیا جاسکے۔ اس زمانے میں درویشوں کے طبقے کو بھی قبول کر لیا گیا تھا لیکن اس کے لیے انھوں نے زندگی کو چار حصوں میں تقسیم کر کے عمر کے آخری حصے کو خاص رہبانیت کے لیے مختص کر دیا۔

جنگی نظموں جیسے مہا بھارت اور رامائن میں اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے متصف کردار تھے۔ انھیں پرانوں میں مزید تفصیل سے بیان کیا گیا اور انہیں وشنو کا اوتار مان کر ان کی عظمت بڑھادی گئی تھی۔ ہندو مذہب میں اوتار کا تصور، اسلام میں نبی و رسول کے تصور سے مختلف ہے۔ اسلام میں نبی یا رسول ایک انسان ہی ہوتا ہے جس کی جانب اللہ تعالیٰ وحی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہندو مذہب میں اوتار دراصل خدا ہی ہوتا ہے جو انسانی روپ میں دنیا میں آتا ہے۔ اوتاروں کی تعداد کے متعلق یہ تصور پیش کیا گیا ہے کہ ایسے اوتار کی تعداد دس ہے جن میں سے نو کی شکل میں خدا دنیا میں آچکا ہے۔ دسویں کا آنا ابھی باقی ہے۔ نئے دیوتاؤں میں گنیش اور ڈرگا بھی شامل تھے۔

پرانوں کے اس ابتدائی دور میں ہی ہندوؤں نے اپنا دامن وسیع کرتے ہوئے گوتم بدھ کو بحیثیت اوتار تسلیم کر لیا تھا مگر بدھ کی تعلیمات چونکہ برہمنیت کے بالکل خلاف تھیں اس

لیے ہندوؤں کے لیے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ گوتم بدھ کو اوتار مانتے ہوئے یہ بھی مانیں کہ وشنو کے اوتار گوتم بدھ خدا پر یقین نہ رکھنے والوں کے لیے ایک فتنے کے طور پر دنیا میں آئے ہیں۔ چنانچہ بیش تر پرانوں کے مطابق گوتم بدھ کے اوتار کا مقصد بے دین لوگوں کو کسی نہ کسی سطح پر عقیدت کی زنجیر سے باندھنا تھا۔

برہمنوں نے ہندو دھرم کی نئی تشکیل کے دوران عوام میں مقبول دیوتاؤں کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ ان کی شخصیت کو نمایاں کرنے پر توجہ دی۔ وید میں مذکور وہ دیوتا، جو نچلے درجے کے سمجھے جاتے تھے مگر عوام میں مقبول تھے، کو بھی نمایاں کیا گیا۔ اندر (Indra) جو کہ ویدک عہد میں سب سے عظیم دیوتا مانا جاتا تھا، کی اہمیت کو بتدریج کم کرتے ہوئے اسے صرف دیوتاؤں کے راجہ کی حیثیت دے دی گئی۔ برہما، جو کہ ویدک ادب میں سب سے اعلیٰ اور عظیم خدا ہے، کی اہمیت کم کر دی گئی اور تری مورتی کا تصور عام ہونے تک اس کی اہمیت صرف تری مورتی میں گنتی تک رہ گئی۔ عوام میں شیوا اور وشنو دیوتا ہی مقبول ہوئے اور انہیں دو دیوتاؤں کے نام پر ہندومت کے دو بڑے مسلک وشنومت اور شیومت وجود میں آئے۔

اس دور میں ذات پات کا نظام بھی ایک جامد شکل اختیار کرتا چلا گیا۔ اس زمانے کے اہم یونانی مصنف میگسٹھینس جو اس وقت ہندوستان میں تھے، اپنشد کے مصنفین کی طرح انھوں نے بھی اپنی کتاب 'انڈیا' میں ہندوستانی سماج میں موجود طبقاتی نظام کی شدت کو واضح کیا ہے۔ یہ کتاب اب معدوم ہے، تاہم اس کے جو چند اقتباسات ملتے ہیں ان کے مطابق اُس دور میں از روئے قانون ان ذاتوں میں آپس میں شادیاں منع تھیں اور نہ ہی لوگ اپنی ذات کے خلاف کوئی پیشہ اختیار کر سکتے تھے۔ لیکن ہندوستان کی وسیع سرزمین میں یقیناً کئی علاقوں کی حالت اس سے مختلف بھی رہی ہوگی۔ درویش اور صوفی طبیعت کے حامل ایسے لوگوں کا غور و فکر اس زمانے میں بھی جاری رہا، جو برہمنوں کی بالادستی اور ان کے بتائے ہوئے مذہبی اصولوں کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اس زمانے میں ایک اہم تصنیف 'ارتھ شاستر' میں جنگلوں میں جا کر جوگ اختیار کرنے اور اپنے خاندان کو بے سہارا چھوڑ دینے والوں کی مخالفت کی گئی ہے۔ ساتھ ہی ذات پات کے نظام پر کاربند رہنے کی سخت تلقین کی گئی ہے۔ بدھ مت اور جین مت کے

مقابل ہندوؤں کا فلسفیانہ نظام 'درشن' بھی 200BC سے 300BC کے لگ بھگ تیار کیا گیا، جس سے ہندو مذہب کو صوفیانہ رجحان رکھنے والوں میں بہت فروغ حاصل ہوا۔

اگرچہ وید اور اپنشد میں بت پرستی کی مذمت ملتی ہے، لیکن اس زمانے میں ہندوستان میں مورتی پوجا کو فروغ حاصل ہوا۔ ہندوستان میں مورتی پوجا کی سب سے پرانی شہادت ہمیں اسی دور سے ملتی ہے۔ 200BC کے لگ بھگ کرشن اور اوسودیو کی پوجا کے لیے مندر بنائے گئے۔ یہ مورتی پوجا کی سب سے پرانی شہادت ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ رواج اس سے قبل پڑ چکا تھا۔ پہلی صدی عیسوی میں بدھ فن کاروں نے گوتم بدھ کا مجسمہ تیار کیا، جس کے شواہد پنجاب کی گندھارا تہذیب میں ملتے ہیں۔ اس سے دیگر فرقے بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جین مت کے لوگ وادی سندھ میں قدیم زمانے سے ہی سنگ تراشی کے ماہر رہے تھے، چنانچہ انھوں نے بھی اپنے بزرگوں کے مجسمے بنانے شروع کر دیے۔ اگرچہ ان کی مذہبی کتب میں بت پرستی کی مذمت ملتی ہے، لیکن جینیوں نے ان تعلیمات میں تاویل کرتے ہوئے کئی مجسمے بنائے۔ اس طرح مجسمہ سازی کا فن اس دور میں ہر طرف عام ہو گیا۔

دوسری صدی قبل مسیح سے چوتھی صدی عیسوی تک سائیتھیا سے مزید مہاجرا اور حملہ آور لوگ ہندوستان آرہے تھے۔ مقدم آریاؤں کی طرح ان کا پہلا وطن ایران تھا، جہاں وہ سیستان یعنی موجودہ مشرقی ایران اور بلوچستان میں آباد ہوئے۔ ایران میں اس قیام کے دوران انھوں نے یقیناً زرتشت اور بین النہرین کے اثرات بھی قبول کیے ہوں گے، لیکن تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے وادی سندھ کی جانب ہجرت کر لی۔

جلد ہی مقامی سندھیوں پر تسلط حاصل کرتے ہی یہ شمالی ہند کی جانب بڑھے اور اپنی سلطنت بھی قائم کی۔ ہندومت کے اس احیا کے ساتھ ہی ہندوستان میں بدھ مت سرکاری سرپرستی سے محروم ہو گیا تھا۔ اشوک اور ان کے بعد اس کے جانشینوں کی سرپرستی میں بدھ مت نے ہندوستان میں جو متاثر کن حیثیت اختیار کر لی تھی، وہ 185BC میں شنگ خاندان (Sunga Empire 185BC-73BC) کی حکومت کے ساتھ ختم ہو گئی۔ شنگ خاندان دراصل کٹر برہمن تھے جنھوں نے مشرقی ہندوستان پر حکومت کی۔ اس خاندان کے کچھ بادشاہوں

نے بدھ مت پر مظالم ڈھائے، ان کی کئی خانقاہیں جلا ڈالیں اور بھکشوؤں کو قتل کیا۔ عام طور پر ان مظالم کو پشیا متر بادشاہ (185-149BC) سے منسوب کیا جاتا ہے۔ پشیا متر نے اپنے دور میں قدیم برہمنوں کے مذہب کو پھر سے رائج کیا، ویدی قربانیوں کو اہمیت دی جس میں گھوڑے کی قربانی اشمیدھ بھی شامل تھی۔

ہندومت کے احیا اور ساتھ ہی ان مظالم کی وجہ سے ہندوستان میں بدھ مت کی جڑیں کافی کمزور ہو گئیں۔ لیکن اس بات کے آثار بھی ملتے ہیں کہ مشرقی ہند کے علاوہ کئی علاقوں میں بدھ مت کے پیروکار امن کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے اور اپنے مذہب پر عمل پیرا تھے۔ لیکن بدھ مت اور جین مت دونوں ہی ہندو نشاۃ ثانیہ کے اس دور میں اپنی سابقہ تعلیمات سے دور ہونے لگے تھے۔ جین مت کو گو کہ ابھی بدھ مت جیسے حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور اسے کئی بادشاہوں کی سرپرستی حاصل رہی مگر یہ مذہب ہندو روایات سے کافی متاثر ہو چکا تھا۔ ان دونوں مذاہب کی حیثیت اگرچہ ایک جدا فرقے کی باقی تھی لیکن ان کی تعلیمات زیادہ تر ہندومت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔ بدھ مت اور جین مت نے ہندوستان کے برہمنی مذہب سے چند باتوں کو چھوڑ کر کافی کچھ مستعار لیا۔ کرم اور آگمن کا عقیدہ ان مذاہب میں برہمنی مت کی ہی دین ہے۔

عیسوی دور کا آغاز

عیسوی کے آغاز تک میں ہندومت اپنے وطن سے باہر جنوب ایشیائی ممالک میں پہنچ چکا تھا۔ اس کا ذریعہ وہ تاجر ہو سکتے ہیں جنہوں نے ہندوستان سے ہجرت کر کے یہاں اپنی مستقل آبادیاں بنائیں۔ جاوا (انڈونیشیا) اور دیگر جنوب ایشیائی ممالک میں اس دور کے کئی مندر ملتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندومت کے پیروکار وہاں ایک بڑی تعداد میں موجود تھے اور ان میں کئی برہمن بھی تھے جنہوں نے یہاں اپنے مذہب کی بھرپور تبلیغ کی۔ اس دور میں یہاں بدھ مت رائج تھا اور چونکہ ہندوؤں نے گوتم بدھ کو بطور اوتار شامل کر لیا تھا اس لیے تہذیب میں یکسانیت کی بنا پر ہندومت یہاں بہت رفتار سے ترقی کر گیا۔ یہاں کے کئی بادشاہوں نے بھی ہندومت قبول کیا اور اسے فروغ دینے میں اپنی نمایاں کوششیں کیں۔ البتہ

سرکاری طور پر اس مذہب کی باقاعدہ سرپرستی دسویں صدی کے بعد ہی ہوئی۔
 چین مت کو چونکہ کوئی خاص شاہی حمایت حاصل نہ ہو سکی تھی، اس لیے یہ دھرم عوام
 میں زیادہ مقبول نہ ہو سکا۔ بعد کی صدیوں میں آندھرا، تامل، کرناٹک، راجپوتانہ، گجرات، بہار
 اور بالخصوص دکن میں چول راجاؤں کی حمایت سے اسے اپنی جڑیں مضبوط کرنے کا موقع ملا
 لیکن کچھ ہی عرصے میں شیومت کے پیروکاروں نے اس دھرم کو خاصی زک پہنچائی اور کئی مندروں
 سے چین مورتیاں اٹھا کر شیوسادھوؤں کی مورتیاں رکھ دیں۔ سوائے گجرات کے چین دھرم کہیں
 اور مقبول نہ ہو سکا اور آج بھی اس دھرم کے پیروکاروں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔

سبھی اہم پرانوں کی تشکیل کے بعد یعنی لگ بھگ 500CE میں وشنومت سے تعلق
 رکھنے والے بالخصوص جنوبی ہند کے برہمنوں میں وشنومت کو عروج حاصل ہوا۔ وشنومت کی اہم
 خصوصیت طبقاتی نظام کے ساتھ ہی مذہبی رسومات میں عوام کے کردار کو بڑھانا تھا۔ اس کی وجہ سے
 یہ مسلک جلد ہی پھیلتا چلا گیا۔ اس دوران سنسکرت زبان کی دوبارہ ترتیب ہوئی اور کئی سنسکرت
 عالموں نے اس زبان پر کام کیا جس میں کاتیانہ (300CE)، پنڈلا (400CE) اور بھرتری
 ہری (500CE) خاص قابل ذکر ہیں۔

ہندومت میں گو اس سے قبل ہندوؤں کی اہم عبادات یگیہ یعنی قربانی اور مظاہر
 فطرت کی پرستش تھیں لیکن اس دور میں وشنومت کے عروج کے ساتھ ہی مظاہر فطرت کے
 بجائے مورتی کی پوجا نے خاصی اہمیت اختیار کر لی اور یگیہ محض اہم پروہتوں اور بادشاہوں تک
 محدود ہو کر رہ گئی۔ اس ابھرتے ہوئے ہندومت کی اہم خوبی اس کی وہ صلاحیت تھی جس کی بنا پر
 اس نے سبھی اختلافات کو قبول کر لیا تھا۔ اس نئے ہندومت میں اس قدر لچک تھی کہ ہر علاقے
 کے رسوم و رواج اس میں داخل ہو جاتے نیز تنازع اور بعض مشترک دیوتاؤں کے علاوہ کئی باہم
 متضاد عقائد اس میں شامل ہو رہے تھے۔ ذات پات کے نظام کے تقدس سے انکار نہیں کیا گیا تھا،
 مذہبی رسومات برہمن کے ہاتھوں میں ہی تھیں لیکن عوام کی روحانی تسکین کے لیے پوجا،
 منظوم داستانوں کا مطالعہ، مندر میں ہونے والی تقریبات میں رقص و موسیقی بخوبی ہو رہی تھی۔ اس
 دور کے بارے میں ہندو مورخ رماشکر ترپاٹھی لکھتے ہیں:

’ (گپت بادشاہوں کے) اس عہد (320CE-550CE) میں برہمن مذہب کا زور کافی ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ ایک بڑی حد تک تو یہ ہوئی کہ گپت بادشاہوں نے جو برہمن مذہب کے پیرو تھے اور شنو سے عقیدت رکھتے تھے، برہمن مذہب کی سرپرستی کی۔ لیکن خود برہمن مذہب میں جو حیرت انگیز لچک اور دوسرے مذاہب کو اپنے جیسا بنالینے (Assimilation) کی صلاحیت تھی اسے بھی اس کی کامیابی میں بڑا دخل تھا۔ برہمن مذہب نے ان تمام عقائد، رسوم اور قدیم مقامی توہمات پر جنہیں عام مقبولیت حاصل تھی اپنی چھاپ لگا کر عوام کو اپنی طرف جیت لیا۔ اس کے علاوہ غیر ملکی حملہ آوروں کو، جو ذات پات سے بے نیاز تھے، اس نے اپنے وسیع دامن میں سمیٹ لیا جس سے اس کی قوت میں اضافہ ہو گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پیش بندی کے طور پر اس نے اپنے مد مقابل مخالف مذہب بدھ مت کی بعض ممتاز تعلیمات کو اپنے اندر سمو کر اور گوتم بدھ کو اپنے دس اوتاروں میں شامل کر کے بدھ مذہب کو شکست دی۔ چنانچہ یہ تمام باتیں جب اس میں داخل ہو گئیں تو برہمن مذہب نے وہ صورت اختیار کر لی جو آج ’ہندومت‘ کہلاتا ہے۔“

پانچویں صدی عیسوی کے بعد کے دور میں علمی اعتبار سے اہل ہند اپنے ہم عصر یونانیوں کی نسبت ریاضی، ہیئت اور نجوم جیسے دیگر علوم میں کافی ترقی کر چکے تھے۔ بالخصوص نجوم کی جتنی کتابیں آج ہندوؤں میں رائج ہیں، اسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ اس زمانے میں بدھ مت کے خلاف مہر کل بادشاہ (515-530CE) نے بدھ مت کی بیخ کنی اور اپنے برہمنی مت کو رائج کرنے کے لیے کئی اقدامات کیے تھے۔

ہندومت کی از سر نو تعمیر اور تشدد کی وجہ سے بدھ مت کے ماننے والے ہندوستان چھوڑ گئے اور اکثریت نے اپنا مذہب تبدیل کر دیا۔ لیکن بدھ تہذیب کے گہرے اثرات ہندو دھرم پر مرتب ہوئے۔ اگرچہ اس کی صورت کافی تبدیل شدہ تھی، لیکن مسلمانوں کی آمد تک بدھ مت سندھ میں پایا جاتا تھا، حتیٰ کہ آٹھویں صدی عیسوی میں جب ہندوستان کے غالب حصے پر پال سلطنت (750-1174) تھی، اس خاندان کے بادشاہوں نے بدھ مت کے مانترک فرقے کی

سرپرستی کی اور کئی خانقاہیں تعمیر کروائیں۔ لیکن برہمنوں نے بدھ مت کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے گوتم بدھ کو اپنے اوتاروں میں شامل کر لیا تھا اور برہمنی مذہب اور بدھ مت نے مل کر ایک مذہب کی شکل اختیار کر لی، جس کی وجہ سے ہندوستان میں بدھ مت کی وہ روح باقی نہ رہی جس کے لیے اس کا ظہور ہوا تھا۔ بہر حال بطور حاصل کلام ہم یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ شرمین تہذیب نے جس فکری رجحان کو معاشرے میں پروان چڑھایا تھا، مسلمانوں کی آمد سے قبل وہ زوال پذیر ہو چکا تھا اور ہر فرقے میں مذہب کی ظاہری روایات کو ہمہ گیر اہمیت حاصل تھی۔

ہندو مسلم عہد حکومت سے برطانوی سامراج تک (800-1900)

بقول لیبان فرانسسیسی کے، ہمیں اسلامی مورخین کا مشکور ہونا چاہیے کہ اس زمانے کی تاریخ اسی قدر صاف اور واضح ہے جس قدر اس سے پہلے کی تاریخ بالکل تاریک ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد کا آغاز ساتویں صدی عیسوی سے ہوتا ہے۔ البتہ اس خطے میں سب سے پہلے مسلمان فاتح محمد بن قاسم (695-717) تھے، جنہوں نے 712CE میں سندھ فتح کیا اور ایک اسلامی ریاست قائم کی۔ یہ ریاست موجودہ پاکستان کے جنوبی اور وسطی علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی جو کہ پہلے بنو امیہ (692-750) اور بعد ازاں بنو عباس (750-1258) کے اقتدار کے تحت قائم رہی۔ یہ باقاعدہ طور پر پہلا موقع تھا جب ہندوستان کو اسلامی اثرات سے واسطہ پڑا۔

ہندوستانی اقوام کا رابطہ بھی دنیا کی مختلف برادریوں سے ہو چکا تھا۔ ہندوستانی اقوام اپنے وطن سے باہر نکل کر دور دراز علاقوں تک آباد ہو چکی تھی۔ بالخصوص ہندوستانی اقوام جاٹ اور میدا ایران سے یمن، بحرین اور عمان تک آباد ہو چکیں تھیں۔ اس بات کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ عرب لوگ بصرہ کو ارض الہند اور فرج الہند کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ان کی زبان اور محاوروں میں بھی عربی اثرزائل ہو چکا تھا۔ تجارت، فتوحات اور تبلیغ اسلام کی غرض سے کئی عرب تاجر بھی جنوبی ایشیا کے ساحلی علاقوں میں رہائش اختیار کر چکے تھے۔ چنانچہ ہمیں تاریخ میں کئی ایسے نام مثلاً حضرت حکم بن عمرو اشعالبی، حضرت مغیرہ بن ابی العاص الثقفی، حضرت نمیم الداری

رضوان اللہ جمعین ملتے ہیں جن کی بدولت یہاں اسلام رائج ہوا۔ تجارتی و ثقافتی تعلقات کے باعث ہندوستان میں ایک عجیب گہا گہی لگی ہوئی تھی۔ طبقاتی نظام اس دور میں بھی اپنے عروج پر تھا، جس کی شہادت کئی عرب مورخین دیتے ہیں، تاہم راجاؤں کے ہاں بعض ایسی مستثنیٰ مثالیں ملتی ہیں جنہوں نے غیر ذات میں شادیاں کیں۔ ممکن ہے اس معاملے میں ہندوستان کے مختلف خطوں میں حالت مختلف ہو۔

اسی زمانے میں ہندوؤں کے اہم اور قابل ذکر عالم و فلسفی شنکر اچاریہ (820CE) بھی گزرے ہیں، جن کی حیثیت ہندوؤں کے ہاں مصلح کی ہے۔ اگرچہ ان کی عمر 32 برس سے زیادہ نہیں رہی لیکن ہندوستان کی مذہبی تاریخ میں ان کا کردار انتہائی اہم ہے۔ شنکر اچاریہ نے ہندوؤں کی اہم کتابوں برہمنسٹرا، بھگود گیتا اور اپنشد کی بھاشیہ (تفاسیر) لکھا اور ہندو فلسفے پر بھی گراں قدر سرمایہ چھوڑا۔ ان کا فلسفہ ویدانت کہلاتا ہے جس کے موجودہ دور میں اکثر ہندو علما معتقد ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بڑے اچاریہ کمارل بھٹ تھے جن کا دور غالباً ساتویں صدی کے آخری حصے میں تھا۔ اس دور میں چونکہ لوگ قدیم ویدک رسوم مثلاً آگنی ہوتر یعنی آگ جلا کر کی جانے والی پوجا اور یگیہ یعنی قربانی کو چھوڑ کر دیوی دیوتاؤں کی پرستش میں لگ چکے تھے اور لوگوں کا رجحان ویدوں سے زیادہ دیگر ثانوی حیثیت کی کتابوں پر تھا، اس لیے انھوں نے ویدوں کی تبلیغ کے لیے بہت محنت کی اور مختلف قسم کے استدلال سے بدھ مت اور جین مت پر تنقید کرتے ہوئے ویدوں کو علم الہی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

بھکتی تحریک

نویں صدی عیسوی ہندوستان کی تاریخ میں بھکتی تحریک کی وجہ سے خاص طور پر اہمیت کی حامل ہے۔ یہ ایک ایسی تحریک تھی، جس کا مقصد خدا کی محبت کو عام لوگوں میں پھیلانا تھا۔ یہ تحریک آٹھویں سے نویں صدی میں جنوبی ہند سے شروع ہوئی جس میں اہم حصہ تامل ناڈو کے علاقے کے سنیاسی شعرا نے لیا جو 'الور' (Alvars) کے نام سے مشہور ہیں۔ انھوں نے مقامی زبانوں میں خدا کے عشق کو شاعری کے ذریعے اس قدر والہانہ انداز میں پیش کیا کہ عوام

ان کی گرویدہ ہو گئی۔ بعد ازاں پندرہویں صدی تک ان شعرا نے خدا کو ایک اہم اوتار شری کرشن کے طور پر اپنالیا تھا اور ان کی بھرپور حمد و ثنا بھی شروع کر دی تھی۔ یہی رجحان ہندوستان کے دوسرے خطے میں وشنومت میں بھکتی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا۔ بعض مورخین کے مطابق ’بھگوت پران‘ اسی دور میں مرتب کی گئی۔ شری کرشن کا نام بطور معبود اگرچہ اس سے پہلے کے صحائف میں بھی ملتا ہے لیکن کرشن پرستی ایک تحریک کی صورت میں پندرہویں صدی کے بعد ہی نمایاں ہوئی۔

جذبات سے بھری ہوئی عقیدت کا یہ رجحان جب شمالی اور مغربی ہند پہنچا تو یہاں کئی مسلم صوفیہ بھی اپنی تعلیمات عام کر رہے تھے۔ تیرہویں صدی میں شمالی ہند کا بڑا رقبہ مسلمانوں کے زیر تسلط تھا جو بالعموم صوفیہ سے عقیدت رکھتے تھے۔ صوفیہ نے ہندوستان کی مقامی زبان اور کلچر کو اپناتے ہوئے ہندو مسلم سبھی کو عدم تشدد، محبت و الفت اور مساوات کی تعلیم دی۔ ان صوفیہ کے ہاتھوں بے شمار لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مسلمان صوفیوں نے بھکتی تحریک کا اثر بہت قبول کیا اور دوسری طرف بھکتی کی تحریک پر اسلامی تعلیمات کا واضح اثر ہوا۔ تاملوں کے ہاں خدا سے جس انداز میں عقیدت کا اظہار کیا گیا تھا اور جو رجحان ان کے ہاں پنپ رہا تھا اس میں زیادہ حصہ معاشرتی معاملات سے قطع نظر الہیات پر مبنی تھا، جب کہ مسلمانوں کے بعد بھکتی تحریک کی جو ابتدا ہوئی اس میں خدا سے محبت کے علاوہ مساوات اور رواداری بھی اہم خصوصیت تھی۔

مشہور فلسفی رامانج (1016-1137) نے اپنی طویل زندگی میں اس نظریے کی باقاعدہ اشاعت ایک تحریک کے طور پر کی اور اس میں کئی معاشرتی پہلوؤں کو بھی شامل کیا۔ شنکر اچاریہ (788-820) کی طرح انھوں نے بھی ہندوستان کے مختلف حصوں میں تبلیغ کی اور برہاسٹرا، بھگود گیتا اور اپنشدوں کی ضخیم تفاسیر لکھیں۔ ان کے طرز استدلال اور قوت بیان نے ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد کو ان کا پیروکار بنا دیا۔ اگرچہ شنکر اچاریہ کو ہندوؤں کے ہاں زیادہ اہمیت حاصل ہے لیکن ہندوستانی مذہب، بالخصوص فلسفہ شنکر سے زیادہ رامانج کا ممنون کرم ہے۔ رامانج ذاتوں کی روایتی تقسیم کے قائل تھے، وہ بھکتی کو صرف تین اونچی ذات کے لیے جائز سمجھتے تھے، لیکن انھوں نے بعض اصولوں کے ذریعے جس چیز کو سب سے زیادہ اہمیت دی

وہ عوام میں ہندو مذہب اور دیوتاؤں سے ذاتی لگاؤ تھا۔ بھجن گانا، مندروں میں جھاڑو دینا، سماع و رقص اور تمام مذاہب سے رواداری ان کے بنیادی اصول تھے۔

رامانج کی وفات کے بعد ان کے خیالات پورے ہندوستان میں پھیل گئے اور بہت سے ماہرین الہیات نے ان کی تعلیمات کی شروع لکھیں۔ فکری اعتبار سے رامانج کے جانشین تیرہویں صدی کے فلسفی مادھو (1199-1278) اور نمبارک (1300) تھے جنہوں نے اپنے استاد کی طرح ہندوؤں کی سبھی اہم کتابوں کی بھاشیہ لکھیں۔ چودھویں صدی میں ہندوؤں کے ایک اور بڑے عالم سائن اچاریہ (1387) تھے جو مادھو کے بھائی تھے۔ ان کا اہم کام ویدوں کی بھاشیہ یعنی تفسیر و تشریح لکھنا تھا، یہی وہ بھاشیہ ہے جس کی بنیاد پر مغربی ماہرین نے ویدوں کا ترجمہ کیا۔

اس دور میں بھکتی تحریک کے ایک عظیم رہنما رامانند (1299-1410) تھے۔ انہوں نے ذات پات کی مخالفت کی۔ ان کے پیروکار رامانندی کہلاتے ہیں۔ رامانندی فرقے کی تاریخی اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ اس فرقے کے پیروکاروں نے آگے چل کر سکھ مت کی بنیاد رکھی۔ رامانند کے بعد شمالی ہند میں کبیر (1440-1518) اور تلسی داس (1623) مشہور رہنما ہوئے جنہوں نے بھکتی تحریک کے لیے مزید خدمات انجام دیں۔

بھکتی تحریک میں ہی پائے جانے والے اس رجحان کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو مذہب کی ظواہر پرستی کے خلاف تھا۔ بعض مسلمانوں کے علاوہ ہندو صوفیہ کا بھی ایک گروہ اس بات کا قائل تھا کہ خدا کی معرفت اور آخرت میں نجات کے حصول کے لیے کسی عبادت یا مذہبی رسوم مثلاً نماز، پوجا، آرتی، قربانی وغیرہ کی ضرورت نہیں، بلکہ خدا کی محبت کی ضرورت ہے۔ صوفیہ کا یہ طبقہ ہندو اور مسلمانوں میں کوئی فرق نہ کرتا تھا، بلکہ ان کے نزدیک کعبہ و کاشی، رام اور رجم اور پران و قرآن میں کوئی فرق نہ تھا۔ اسی تصور نے آگے چل کر وحدت ادیان اور اکبر کے دین الہی کی صورت اختیار کی۔ ہندوستان میں اگرچہ بعض مسلم صوفیہ کی بدولت یہ رجحان پہلے ہی جنوبی ہند میں رائج ہو رہا تھا، جسے بعض ہندو صوفیہ نے بھی اپنالیا، لیکن ہمارے نزدیک اس رجحان کے سب سے بڑے مبلغ مشہور شاعر و درویش کبیر رہے ہیں جو رامانند سے خاصے

متاثر تھے۔ کبیر نے ہندومت کے مراسم میں ظاہر پرستی کے عنصر پر انتہائی حکمت و بصیرت کے ساتھ تنقید کی ہے۔

اپنے عروج کے زمانے میں بھکتی تحریک نے نجلی سمجھی جانے والی ذاتوں بالخصوص اچھوتوں (Untouchables) کا سماجی مقام بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا، لیکن جلد ہی ماضی کی طرح اس زمانے میں بھی برہمنوں نے ان بھکتوں اور اصلاح پسندوں کو اپنے مذہب کے اندر جذب کر کے انہیں دیوتاؤں کا درجہ دے دیا اور ان کے بت بنا کر مندروں میں سجائے گئے۔ بھکتی تحریک کی تمام لہریں آہستہ آہستہ خود ہی ہندو دھرم کا حصہ بن گئی تاہم اس تحریک نے ہندوستان کے مذہبی معاملات میں یہ وسیع انخیالی پیدا کی کہ عبادت و مراقبہ اور بھکتی کے ذریعے ہر شخص چاہے وہ کسی بھی ذات سے تعلق رکھتا ہو، نجات پاسکتا ہے۔ بھکتی کی یہ تحریک ہندوستان میں ایک اور بڑے مذہب سکھ مت کی بنیاد بنی۔ ماضی کی طرح اس دور میں بھی ہندوؤں میں بے شمار فرقے پیدا ہوئے جن میں سے کئی فرقوں کا اب نشان نہیں ملتا۔

سکھ مذہب

بھکتی تحریک اور مسلم صوفیہ کی تعلیمات کے زیر اثر نمودار ہونے والا ایک فرقہ سکھ مت تھا، جو اپنی ابتدا میں کوئی علیحدہ مذہب نہیں بلکہ ہندومت اور اسلام سے متاثر ایک ذیلی تحریک تھی۔

اس فرقے کے بانی گرو نانک (1469-1539) تھے۔ گرو نانک کی پیدائش لاہور سے تقریباً 100 کلومیٹر دور ایک گاؤں تلونڈی میں ہوئی جو اب ننگانہ صاحب، کہلاتا ہے۔ ان کا تعلق ایک کشتری خاندان سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی ذہانت کے سبب انہوں نے محض نو برس کی عمر میں عربی، فارسی اور ہندوستان کی دیگر دیسی زبانوں میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ بچپن سے ہی ان کا مذہبی رجحان بڑھتا جا رہا تھا۔ بعض سیرت نگاروں کے مطابق جوانی میں انہوں نے پنجاب کے متعدد ہندو جوگیوں اور مسلمان صوفیہ سے اپنی روحانی پیاس بجھائی اور حج کا سفر بھی کیا۔ تیس سال کی عمر میں وہ گرو بن گئے اور ان کی بقیہ زندگی اپنے نظریات کی تبلیغ میں گزری۔

نانک صاحب اوہام پسندی، ذات پات اور بت پرستی کے شدید مخالف تھے۔ انھوں نے زندگی بھر اپنے شاگردوں، یعنی سکھوں کو عدم تشدد، توحید اور مساوات کی ہی تعلیم دی۔ تاہم بعد میں اس مذہب میں عسکریت پسندی داخل ہو گئی۔ ابتدا میں یہ مسلک اسلام سے قریب تر تھا اور بہت سے مسلمان گرونانک کو مسلمان ہی سمجھتے تھے، لیکن بعد ازاں اس تحریک میں ہندوانہ رنگ نمایاں ہوتا گیا اور یہ مسلک اسلام اور ہندومت کا مرکب بن گیا، جس میں ہندوانہ عنصر زیادہ غالب رہا۔ اس وقت بھی برصغیر بالخصوص پاکستان کے بہت سے ہندو گرونانک کو بھی عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سکھ مت میں اگرچہ اسلامی توحید اور مساوات کی تعلیم رائج ہو چکی تھی لیکن ہندوؤں کا عقیدہ نروان بھی اس میں شامل ہو گیا۔

ہندومت - مغلیہ عہد میں

1526 میں ہندوستان میں مختلف حکمرانوں کے بعد مغلیہ سلطنت قائم ہوئی۔ یہ دور بھکتی اور مسلم صوفیہ کی تحریک کے عروج کا دور تھا۔ ہندومت اور مسلم تصوف کے نتیجے میں ایک ایسا مذہبی گروہ پیدا ہو چکا تھا جو مذہب کی تقسیم کا قائل نہ تھا۔ اس ضمن میں مغلیہ سلطنت کے تیسرے بادشاہ جلال الدین اکبر (1556-1605) خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

اکبر بادشاہ کی نجی زندگی کے بارے میں جو معلومات ملتی ہے اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ اکبر اپنے ابتدائی عہد حکومت میں ایک دین دار تصوف پسند مسلمان تھا۔ اکبر کی یہ دین داری اور مذہبی شغف عامیانه قسم کی مذہبیت تھی، جس کی بنیاد براہ راست علم و مطالعہ پر دین اسلام سے صحیح معرفت نہیں بلکہ معاشرے کی تقلید و نقلی پر مبنی تھی۔ علماء و صوفیہ اور ہندو جوگیوں سے اس کو بے پناہ عقیدت تھی۔ ماحول کے اثر اور اپنے عہد کے رواج کے مطابق بزرگوں کے مزارات کی زیارت اور ان پر نذر و نیاز بھی کرتا تھا۔ 1575 میں اکبر نے فتح پور سیکری میں ایک ہال تعمیر کرایا تھا جہاں ابتدا میں صرف مسلمان علماء بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ بعد ازاں اکبر کے دل میں دوسرے مذاہب کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بھی جستجو پیدا ہوئی اور اس نے 1580 میں ہندو، سکھ، جین، بدھ، مجوسی اور عیسائی علماء کو بھی اپنی مجلس میں شرکت کی

دعوت دی۔ لیکن جلد ہی بادشاہ اکبر مذہبی طبقے کی ظاہر داری اور دین اسلام کی مروجہ تشریح سے متنفر ہو کر دوسرے مذاہب میں دلچسپی لینے لگا جن میں ہندومت اور پارسی مذہب کی طرف اس کا خاص رجحان تھا۔ اس زمانے میں اکبر کی ذہنی و فکری حالت کا بہترین تجزیہ ہمیں اس رپورٹ میں ملتا ہے جو اکبر کے دربار میں طویل عرصے تک رہنے والے عیسائی مشنریوں نے گوا (Goa) میں اپنے سربراہان کو بھیجی۔ اس رپورٹ کے کچھ حصے اکبر کی مذہبی حالت کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں :

”بادشاہ مسلمان نہیں رہا ہے، لیکن وہ تمام مذاہب کے بارے میں تشکیک کا شکار ہے۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ کوئی مذہب سچا الہی مذہب نہیں ہے، کیوں کہ ہر مذہب میں کوئی نہ کوئی ایسی چیز ہے جو اس کی ذہانت اور عقل کے خلاف ہے۔ عوام میں بھی بادشاہ کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ وہ نہ تو اسے عیسائی سمجھتے ہیں، نہ مشرک اور نہ ہی مسلمان اور یہ بات ہی درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اگرچہ وہ ہے تو مسلمان مگر ظاہری طور پر وہ تمام دوسرے مذاہب کو بھی مانتا ہے تا کہ عوام میں اس کی مقبولیت برقرار رہے۔“

اکبر تصوف اور بھکتی تحریک سے بہت متاثر تھا جس کی وجہ سے مذہبی معاملے میں وہ صلح کل کا حامی تھا۔ جیسا کہ ہم گزشتہ صفحات میں یہ دیکھ آئے ہیں کہ ہندوستان مختلف مذاہب کی آماج گاہ رہا ہے اور اس تہذیب میں مختلف مذاہب کو اپنے اندر ضم کرنے کی عجیب صلاحیت ہے۔ 1582 میں اکبر نے اس زرخیزی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام مذاہب کے عقائد کو آپس میں ملا کر دین الہی کے نام سے ایک ایسا نظریہ تشکیل دیا جس کی رو سے تمام مذاہب عالم کو یکساں طور پر مبنی برحق تسلیم کر لیا گیا تھا۔ درحقیقت ہم اکبر کو ایک لبرل یا سیکولر حکمران کی حیثیت سے بھی پیش کر سکتے ہیں۔ اکبر کی آزادانہ سوچ کا اندازہ نہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے افسران کی نگرانی میں سرکاری شراب خانے بھی کھلوائے اور باقاعدہ شراب کے نرخ بھی مقرر کیے گئے بلکہ ایک اور قدم آگے بڑھ کر عصمت فروش عورتوں کے لیے دہلی کے بیرونی علاقے میں جداگانہ رہائشی مکانات بھی تعمیر کرا دیے تھے جہاں عصمت فروش

خواتین کو رہنے کا حکم تھا، نیز ان سے جنسی تعلق قائم کرنے کے خواہش مند افراد کو مقررہ سرکاری افسر کے پاس اپنی جملہ تفصیلات بھی درج کرنی ہوتی تھیں۔

ہندوؤں سے قربت کی بنا پر اکبر نے کئی ہندو اندر سوم و رواج جیسے گائے کی تعظیم، گوشت خوری سے پرہیز، ہندو تہواروں میں شرکت اور ہندوؤں میں شادی وغیرہ اپنالے تھے۔ دین اکبری میں کئی مسلم عقائد کا انکار کیا گیا تھا اور تصوف، فلسفہ اور فطرت کی عبادت کو ہی عین مقصد قرار دیا گیا۔ اس دور کے اہم مسلم علماء شیخ عبدالحق محدث دہلوی (1551-1642) اور شیخ احمد سرہندی (1564-1624) نے اکبر کی اس فکر کا بھرپور علمی رد کیا جس کے وجہ سے یہ مذہب زیادہ نہ پھیل سکا اور اکبر کی وفات کے ساتھ ہی اس کا خاتمہ ہو گیا۔ نیز اکبر کے کئی ایک غیر مسلم درباریوں نے بھی اس کے پیش کردہ دین کو قبول نہ کیا۔

ہندومت - انگریزوں کے دور میں

سولہویں صدی عیسوی کے لگ بھگ برطانیہ سے انگریز تجارت کی غرض سے برصغیر آئے اور مغلیہ سلطنت سے بعض مراعات حاصل کر کے مختلف شہروں میں اپنے مراکز قائم کر لیے۔ مسلمانوں کے زوال کو دیکھتے ہوئے یہاں انگریز سیاسی طور پر بھی سرگرم ہو گئے اور بنگال جو اس وقت فرنیسیوں کے ہاتھ میں تھا، انہیں شکست دے کر یہاں اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ اس کے بعد مسلسل یکے بعد دیگرے تمام صوبوں پر ان کا قبضہ ہوتا رہا اور اس اقتدار کی توسیع ہوتی رہی حتیٰ کہ اٹھارہویں صدی کے آخر تک برصغیر کے مختلف راجاؤں، نوابوں اور حکمرانوں سے معرکہ آرائیوں کے بعد ان کا تسلط تقریباً پورے برصغیر پر قائم ہو گیا۔

دوسری جانب سولہویں صدی کے آخر تک تحریک استشرق (Orientalism) بھی زور پکڑ چکی تھی۔ مغربی اسکالرز مشرق کے دیگر مذاہب کے ساتھ ہندومت کا بھی مطالعہ کرتے ہوئے اپنے ہاں ان کے علوم کو منتقل کر رہے تھے۔ مغربی علمائے ہندومت کی قدیم زبان سنسکرت سیکھ کر وید اور دیگر مذہبی کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور اس مذہب پر علمی نوعیت کے بھی کئی کام کیے۔ ان میں سب سے اہم ویدوں کے مترجم میکس مولر (1823-1900) تھے جنہوں

نے اپنی زندگی کے کم و بیش چالیس برس اس مذہب پر صرف کیے۔ تاہم ان مستشرقین میں ایک متعصب طبقہ بھی تھا جنہوں نے ہندوؤں کے قدیم مذہب پر کئی اعتراضات اٹھائے۔

برصغیر میں انگریزوں کے اس دور میں عیسائی مبلغین بھرپور انداز میں اپنے مذہب کی تبلیغ کر رہے تھے۔ جس کے نتیجے میں برصغیر کے ہندو مغربی مفکرین کے افکار سے متعارف ہوئے۔ ذات پات کے نظام سے بیزاری کی وجہ سے کئی ہندو عیسائیت قبول کر چکے تھے۔ عیسائی مبلغین کے جواب میں ہندوؤں کی جانب سے بھی کئی اہم مبلغین اٹھے جنہوں نے عیسائی مبلغین کی طرف سے اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب دیا اور ہندوؤں کو دوبارہ ان کے قدیم مذہب کی طرف مائل کیا۔ عقل پسند اور مغربی فلسفے سے مرغوب لوگوں کے لیے سوامی دیانند سرتی (1824-1883) اور سوامی ویوکانند (1863-1902) جیسے لیڈر تھے جنہوں نے نہ صرف یہ کہ عیسائی مبلغین کا مقابلہ کیا بلکہ ان کے سامنے موجود سب سے بڑی مذہبی قوت اسلام پر بھی اعتراضات کی مہم چلا دی۔ سوامی شردھانند (1856-1926) نے اسلام کے خلاف شدھی تحریک، شروع کی جس کا مقصد یہ تھا کہ جن لوگوں کے باپ دادا مسلمان ہو گئے تھے انہیں دوبارہ ہندو بنایا جائے۔ جب کہ بھکتی تحریک سے متاثر اور روایت پسند ہندوؤں کے لیے سائیں بابا (1918) رابندر ناتھ ٹیگور (1817-1905) اور مہاتما گاندھی (1869-1948) جیسے لیڈر تھے جنہوں نے عدم تشدد اور پیغامِ محبت کے ذریعے ہندومت کی تبلیغ کی اور ہندوؤں میں عدم تشدد اور ہندوستانی قومیت کے تصور کو ابھارا۔

اس دور میں سماج کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہندومت کو نئی بنیادوں پر استوار کرتے ہوئے تعلیم یافتہ ہندوؤں میں اپنے مذہب اور ثقافت پر فخر کرنے کا جذبہ بھی پیدا کیا گیا جو انگریزوں کے عیسائی مبلغین کی وجہ سے متزلزل ہو گیا تھا۔ عیسائیت اور اسلام کے مقابلے کے لیے اس کوشش میں سب سے زیادہ اہم کوششیں سوامی دیانند سرتی اور ان کے معتقدین کی تھی۔ سوامی دیانند سرتی نے آریا سماج تحریک کی بنیاد ڈالی جو بہت ہی کم عرصے میں ہندوستان کی ایک اہم تحریک بن گئی۔ سوامی جی نے جدیدیت سے ہم آہنگ ویدوں کی نئی شروحات لکھیں اور ہندومت میں ذات پات اور بت پرستی کا انکار کرتے ہوئے عقیدہ توحید کو رائج کیا۔

اس ضمن میں سب سے اہم کوششیں وہ تھیں جن میں سوامی جی اور ان کے معتقدین نے اپنے مذہب کو سائنسی بنیادوں پر استوار کیا اور ہندومت کو اُس صورت میں پیش کیا جو سائنس سے بالکل ہم آہنگ بلکہ بعض اوقات سائنس سے بھی ایک قدم آگے نظر آنے لگا۔ اگرچہ ماضی کے مصلحین کی طرح توحید اور بت پرستی کے خلاف ان کی کوششیں زیادہ کارگر نہ رہی اور عوام اور روایت پسند علما کی ایک بڑی تعداد نے ان کی مخالفت بھی کی لیکن انھوں نے ذات پات، قربانی کی رسم اور دیگر شعائر کی جو جدید تشریحات پیش کیں انہیں بالعموم تسلیم کر لیا گیا۔ ہندومت اور جدیدیت کو ہم آہنگ کرنے میں دور جدید کے پیش تر ہندو علما انہی کے خوشہ چیں نظر آتے ہیں۔

ہندو مذہب — دور جدید میں (1950 تا حال)

1947 میں برصغیر کی تقسیم کے بعد بھارت اور پاکستان علیحدہ علیحدہ ملک کے طور پر وجود میں آئے۔ بھارت آزادی کے بعد سیکولرزم کی راہ پر گامزن ہوا لیکن اس دور میں ہندومت کو دنیا کے سامنے جس قدر سائنٹفک اور نفیس انداز میں پیش کرنے کا رجحان قائم ہوا، اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ ہندو علماء اس سے پہلے بھی مغرب میں اپنی مذہبی سرگرمیاں شروع کر چکے تھے لیکن آزادی کے بعد ان سرگرمیوں میں کافی اضافہ ہوا اور کئی ایسے ادارے تشکیل دیے گئے جس کا مقصد خاص مغرب میں ہندو مذہب کی تبلیغ تھا۔

یہ سلسلہ آزادی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا اور اس سلسلے میں سوامی ویوکانند نے انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے 1893 میں 'Parliament of World's Religions' میں ہندومت کی نمائندگی کی اور مغرب میں ہندومت کی تبلیغ کے لیے کئی کوششیں کیں۔ آزادی کے بعد اس مقصد کے لیے انگریزی میں اس مذہب سے متعلق ایک بڑا علمی ذخیرہ تشکیل دیا جانے لگا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس کے ساتھ بھارت میں اس مذہب کی قدیم زبان سنسکرت کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی اور اس زبان کے فروغ کے لیے کئی ادارے قائم کیے گئے۔ ہندی زبان جو مذہبی ادب کی اہم ترین زبان تھی اسے بھی سرکاری زبان بنایا گیا۔ اس زبان میں عربی و فارسی کا اچھا خاصا ذخیرہ شامل تھا، کہیں کہیں سنسکرت سے ماخوذ شدہ ہندی کے الفاظ بھی آجایا کرتے تھے لیکن سرکاری زبان بننے کے بعد اس میں اردو اثر کو زائل کر کے

سنسکرت الفاظ کی بھرمار کی گئی۔ اس مذہب کی تعلیم اور احساس تفاخر کو اجاگر کرنے کے لیے ٹی وی کیبل کا بھی موثر استعمال کیا گیا جو اب تک جاری ہے۔ یہ سب کچھ اسی مقصد کے تحت تھا کہ ہندوؤں کا ان کی قدیم تہذیب و تمدن سے رشتہ دوبارہ استوار کیا جائے۔

موجودہ ہندو دھرم

ان سبھی عوامل جس کا ہم نے جائزہ لیا ان کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ ہندو دھرم کوئی ایک خاص فلسفہ، نظام زندگی یا دستور العمل نہیں بلکہ یہ متعدد خیالات و نظریات کا ایسا منفرد مجموعہ ہے، جس کی مثال کہیں اور نہیں مل سکتی۔ آج اس مذہب میں اس قدر لچک موجود ہے کہ ایک فرقہ تین خداؤں کو ماننا ہے تو دوسرا تینتیس کروڑ دیوتاؤں کو۔ ہندومت نے کئی ایسے متضاد عقائد اپنی گود میں سمیٹے ہوئے ہیں جو دیگر مذاہب میں کبھی یکجا نہیں ہو سکے۔ حتیٰ کہ خدا کے انکار کرنے والے بھی اس مذہب کا حصہ ہیں۔ ایک شخص مادہ کے ازلی ہونے کا قائل ہے تو دوسرا منکر! تنازع اور کرم کے علاوہ شاید ہی کوئی امر ہو، جس پر تمام ہندو متفق ہوں۔ مختلف خطوں کے مختلف رسوم و شعائر ہیں۔ یہ دھرم ہر قسم کے عقیدے کو اپنانے کے لیے ہمیشہ سے تیار رہا ہے۔ تمام رسم و رواج خواہ وہ قدیم زمانے کے ہوں یا عصر جدید کے، سب کو اختیار کر لیتا ہے۔ آج جب ہم ہندو دھرم کا نام لیتے ہیں تو ہمارے ذہن میں بیک وقت جین مت، بدھ مت، آریائی دھرم، ویدک اور برہمنی مت کا تصور آتا ہے۔ یہ ہندومت کی امتیازی خاصیت ہے کہ اس میں صرف مختلف فرقے نہیں بلکہ مختلف نوع کے مذاہب بھی داخل ہیں۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا مذہب ہوگا جس کا کوئی عنصر ہمیں ہندو دھرم میں کسی صورت نہ ملے۔ مختلف اقوام و مذاہب کی آمیزش کے بعد، دور حاضر تک ہندو دھرم مذاہب کا ایک منفرد مجموعہ بن چکا ہے۔ موجودہ ہندومت اور قدیم ہندومت میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن اس مذہب کا احیاء بھی جاری ہے کیونکہ یہ ایک لچک دار اور ہر روایت کو جذب کرنے کے قابل مذہب ہے۔ یہ مذہب کسی خاص عقیدے یا شخصیت سے پیوستہ نہیں ہے۔ ماضی میں ہندو دھرم پر کئی تہذیبوں کا حملہ ہوا لیکن اس مذہب نے سب کو اپنی گود میں سمیٹ لیا اور ایک نام کے اعتبار سے اپنی شناخت نہیں کھوئی۔

اگرچہ آج بھی ہندو دھرم کی بنیاد وہی ہزاروں سال پرانی ہے، لیکن قبل مسیح کے ہندومت اور آج کے ہندوؤں میں عقائد و روایات کے لحاظ سے کافی فرق ہو چکا ہے۔ ہم کسی بھی طرح قطعی طور پر یہ کہنے کی اہلیت نہیں رکھتے کہ ماضی میں ہندوؤں کے بزرگوں کی کیا تعلیمات تھیں۔ ہندومت کے بیش تر قدیم عناصر، جنہیں اب غیر مفید اور منفی سمجھا جاتا ہے، رفتہ رفتہ ختم ہو رہے ہیں۔ دو دراز علاقوں کے دیہی تمدن نے اگرچہ بعض سماجی رسوم کو بڑی شان کے ساتھ قائم رکھا ہوا ہے، لیکن شہری تمدن نے ان تمام روایتوں کو مسترد کر دیا ہے۔

موجودہ ہندوؤں کی اکثریت کو ویدوں کے مطابق روایتی معنی میں راسخ العقیدہ (Orthodox) نہیں کہا جاسکتا لیکن انہیں اپنے دھرم اور اپنی آئیڈیل شخصیات سے اب بھی ویسے ہی عقیدت ہے۔ ذات پات کا نظام اب بھی باقی ہے لیکن اب اس کی نئی تاویلات پیش کی جا رہی ہیں اور یہ نظام سرکاری سرپرستی سے بھی محروم ہو چکا ہے۔ بہت سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو تناسخ کو نہیں مانتے، تو کچھ لوگ گائے کے تقدس کو اہمیت نہیں دیتے، مذہبی کتابوں پر تنقید کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے اور اسے مکمل طور پر سائنس کے ساتھ ہم آہنگ قرار دینے کی کوششیں بھی عروج پر ہیں۔ اس ساری صورت حال کو جاننے کے بعد صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ ہندو دھرم دراصل مذہب اور عقائد کے معاملے میں آزادی کا نام ہے لہذا ہندومت کی طرح ہندو کی تعریف کو بھی کسی مذہب یا عقیدے میں قید کرنا اس دھرم کی شان کے منافی ہے۔

ہندو فرقے اور تحریکیں

دیگر مذاہب عالم کی طرح ہندوؤں کے ہاں بھی مختلف مکاتب فکر پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کے فرقوں کی تعداد دیگر مذاہب کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ قدیم فرقوں کی بنیاد فلسفہ، خدا اور انسان کے مابین تعلق کے متعلق بحث سے پڑی، جب کہ نئے فرقے اسلام، عیسائیت اور الحاد سے متاثر ہو کر تشکیل پائے۔ ان فرقوں میں ایسے گروہ بھی شامل ہیں جو سرے سے خدا کے منکر ہیں اور وہ بھی ہیں جو سب کچھ خدا کو ہی قرار دیتے ہیں۔ توحید و مساوات کی طرف دعوت دینے والا دانشور طبقہ بھی ہے اور ان گنت دیوتاؤں کی پرستش کرنے والا، رقص و موسیقی کی محفل سجانے والا اور بت پرستی کرنے والا طبقہ بھی موجود ہے۔ انیسویں صدی کے بعد جب ہندوؤں کے ہاں کئی اہم مذہبی تحریکیں اٹھیں جنہوں نے نئی نسل اور مغرب کو ہندومت سے وابستہ کرنے کی کوششیں کیں۔ ان تحریکوں کے رہنماؤں نے اپنے اپنے انداز میں ہندومت کی نئی تشریحات کیں، کئی اہم مذہبی رسوم کو غیر ضروری قرار دیا لیکن سبھی کا یہ دعویٰ رہا کہ وہ قدیم (Ancient) ویدک دھرم کو دوبارہ رائج کر رہے ہیں۔ ان تحریکوں کے نتیجے میں بھی نئے فرقے وجود میں آئے۔ اس مذہب میں موجود حیرت انگیز لچک کے باعث آج بھی روزنت نئے فرقے پیدا ہوتے ہیں اور فنا ہوتے ہیں، کئی لوگ بیک وقت ایک سے زیادہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ لہذا اس مذہب میں موجود تمام فرقوں کے بارے میں جائزہ لینا ہماری مختصر تحریر میں ناممکن ہے۔ ہم یہاں چند مشہور اور بااثر فرقوں کا ہی ذکر کریں گے۔

وشنوازم

یہ ہندومت کا سب سے بڑا فرقہ ہے۔ جس کی بنیاد صرف وشنو دیوتا کی پرستش پر رکھی

گئی ہے۔ اس فرقے کے پیروکار وشنو یوتا کے عبادت گزار ہوتے ہیں اور خاص کر وشنو کو اس کے سبھی اوتار بالخصوص رام اور کرشن کی صورت میں پوجتے ہیں۔ اس فرقے کے عقائد اور امتیازات یہ ہیں، انھیں وشنو سنسکار بھی کہا جاتا ہے:

و شنو یوتا کی عبادت گزاری اور اسے معبودِ مطلق ماننا۔

توحید کے بارے میں زیادہ حساس نہیں ہیں۔

و شنو کے سبھی اوتاروں کو ماننا۔

مذہبی کتابوں سے متعلق وشنومت کا منہج اس جملے میں بیان کیا جاتا ہے: ”سا کشاد اپاد یاسا تو شروتی“ یعنی شروتی لٹریچر کو اس کے ظاہری معنوں (Literally) میں بلا تاویل تسلیم کیا جائے۔

و شنومت میں بھگود گیتا، بھگوت پران، وشنو پران، گیتا گوند، وشنو سمہنتا، شتتپتھ برہمن، ایتریہ برہمن، مہا بھارت، رامائن وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

و شنومت کے اہم تیرتھ یعنی مذہبی مقامات بدری دھام (badrinath)، متھرا

(mathura)، ایودھیا (ayodhya)، تروپتی بالاجی، شری ناتھ اور دوارکا ہیں۔

ویشنو مندر میں زیادہ تر وشنو، رام اور کرشن کی مورتیاں ہوتی ہیں۔

و شنومت کے اکثر پیروکار اپنی پیشانی پر لہ سے مشابہ سفید نشان لگاتے ہیں۔

ان کے پروہت سرمنڈا کر درمیان میں چوٹی رکھتے ہیں۔

یہ تمام رسومات دن میں کرتے ہیں۔

ویشنوی لوگ سورج پر مبنی نذر اور روزہ رکھتے ہیں۔

و شنومت فرقے کی خاص بات یہ ہے کہ اس فرقے کے پروہتوں نے ہندومت کو عوام الناس کے لیے دل چسپ بنانے کا بھرپور انتظام کیا، اور اسے عام لوگوں کے تقاضے کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔ روایتی طریقہ کے برعکس انھوں نے سنسکرت کے بجائے ہندی، تامل اور دیگر مقامی زبانوں کو مذہب کی تبلیغ کے لیے استعمال کیا اور ہندومت کی اشاعت عام زبانوں میں کی۔ اس تحریک سے قبل مذہب کی تعلیم سنسکرت کے علاوہ کسی اور

زبان میں دینا گناہ کا موجب سمجھا جاتا تھا مگر اس تحریک کے بعد دیگر زبانوں میں ہندو لٹریچر کی اشاعت ہوئی۔ یہ فرقہ کئی ذیلی فرقوں اور سلاسل میں تقسیم ہے۔

گودیا ویشنو

وشنوازم میں کرشن بھگتی کو خاص فروغ حاصل ہوا ہے۔ گودیا ویشنو، وشنومت کا ایک ایسا ہی فرقہ ہے جو خاص کرشن بھگتی پر یقین رکھتا ہے۔ اس فرقے کے بانی چیتنیا مہا پر بھو (1534-1486) ہیں۔ وشنومت کے دیگر فرقوں سے ان کو ممتاز کرنے والی خصوصیات یہ ہیں۔ شری کرشن کو معبودِ مطلق مانتے ہیں۔ یہاں یہ فرقہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ گروہ کرشن کو اتار نہیں بلکہ وشنو کو کرشن کی ایک صورت مانتا ہے۔ اس عقیدے کی اساس بھگوت پران ہے جس میں کرشن کو معبودِ مطلق کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ان کے نزدیک خدا کے لیے اللہ، بیواہ اور دیگر نام بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں۔
’نہرے کرشنا‘ کا ورد کرتے ہیں۔

کچے سبزی خور (Lecto-Vegetarian) ہوتے ہیں۔ انڈے کے علاوہ دیگر لحماتی

غذا دودھ، دہی وغیرہ سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔

رادھا، لکشمی، سیتا اور باقی دیویوں کو زمین کی قوت (بھگتی) مانا جاتا ہے۔

چیتنیا مہا پر بھو کو کرشن کا اتار مانا جاتا ہے اور ان کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔

پچھلی چند دہائیوں سے ہندوستان اور یورپ و امریکہ میں اسی فرقے کی جانب سے

کرشن بھگتی کی تحریک چلائی جا رہی ہے اور بڑے پیمانے پر بھگود گیتا کی اشاعت جاری ہے۔ اس

رجحان کا آغاز دراصل بھگتی تحریک سے ہی ہوا تھا۔ لیکن اسے اپنے عروج پر پہنچانے میں اس فرقے

کے عالم ویدانت سوامی پر بھو (1896-1977) نے اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے امریکہ کا رخ

کیا اور وہاں اس مسلک کی اشاعت کے لیے بہت کوششیں کیں، جس کے نتیجے میں ایک بڑی تعداد

ان کی پیروکار ہو گئی۔ 1966 میں انھوں نے International Society of Krishna

Consciousness (ISKCON) کی بنیاد رکھی اور ایک معبد قائم کیا۔ ایک ایک کر کے دنیا

بھر میں اس ادارے کے 68 مراکز قائم ہو گئے جن میں سے 28 امریکہ میں ہیں۔ اس تحریک کے کارکن دنیاوی اشیاء کو چھوڑ کر رہبانیت اختیار کر لیتے ہیں اور صرف ان اشیاء پر قناعت کرتے ہیں جو معاشرہ انہیں فراہم کرے۔ عام طور پر یہ لوگ اپنا سر منڈوا دیتے ہیں اور اپنی پوری زندگی صرف مراقبہ، مطالعہ، تعلیم و تدریس اور بھجن کے لیے وقف کر دیتے ہیں۔ چائے، کافی، الکوہل، ٹلوٹین اور دوسری قسم کی منشیات اور عام استعمال میں آنے والی اشیاء اور جو اکھیلنا ان کے لیے ممنوع ہے۔ البتہ اس ادارے سے متعلقہ عام لوگ ان امور کے پابند نہیں ہوتے۔ موجودہ دور میں ISKCON بھگود گیتا اور بھگود پران کی اشاعت کا ایک اہم مرکز بن چکا ہے۔ اس تحریک کو ہندوستان کے بجائے مغرب میں زیادہ کامیابی ملی ہے۔

سمپرا دایا

سمپرا دایا دراصل ہندوؤں اور بالخصوص وشنومت کے پیروکاروں کے فلسفیانہ نظام میں چلنے والے مختلف سلسلوں کو کہتے ہیں۔

شیومت

یہ فرقہ ہندوؤں میں قدیم زمانے سے پایا جاتا ہے، جس کے مماثل آثار ہمیں موہن جوڈو اور ہڑپہ میں بھی ملتے ہیں۔ رگ وید میں بھی جن 12 رُدر کی پرستش کی تعلیم ہے وہی آگے چل کر شیو، شنکر، بھولے ناٹھ اور مہادیو کہلائے۔ انھی صورتوں میں شیومت کے پیروکار ان کی پرستش کرتے ہیں۔ اس فرقے کی اہم خصوصیات یہ ہیں:

شیو دیوتا کی عبادت گزاری اور اسے معبودِ مطلق ماننا۔

شیو کے سبھی اوتاروں کو ماننا۔

یہ فرقہ صرف شیو کی وحدت کو تسلیم کرتا ہے اور بقیہ دیوتاؤں کو اسی کا ماتحت ماننا ہے۔

ان کی اہم مذہبی کتابیں شو ترا اپنشد (Shvetashvatara Upanishad)، شیو پران

(Shiva Purana)، اگم گرنتھ (The Agamas) اور ترمرائی (poems—Tiru-murai) ہیں۔

اس فرقے کی بنیادی تعلیم شیو اور اس کی بیوی کالی ماں کی پرستش ہے جو لنگ اور

یونی (مرد و عورت کے اعضاءِ مخصوصہ) کے ذریعے کی جاتی ہے۔

ان کی مذہبی رسومات زیادہ تر رات میں ادا کی جاتی ہیں۔

بعض مذہبی رسومات میں ان کے ہاں برہنہ ہونے کا رواج بھی ہے۔

شیومت میں مردے کو دفنانے کی روایت بھی ہے۔ تاہم اکثر فرقوں میں جلایا ہی جاتا ہے۔

ان کی مذہبی زیارت گاہیں کاشی (kashi)، بنارس (Benaras)، کیدار ناتھ

(Kedarnath)، سومناتھ (Somnath)، رامے شورم (Rameshvaram)، چدمبرم

(Chidambaram)، امر ناتھ (Amarnath) اور کیلاش مان سرور (kailashmansarovar)

وغیرہ ہیں۔

ان کے ہاں 'ہم، ہم بھولے' کا ورد کیا جاتا ہے۔

شیومت میں کئی ذیلی مسالک اور بھی ہیں جن میں شاکت، ناتھ، پشاپت، دسنامی،

ناگ وغیرہ ہیں۔ کشمیر، نیپال اور دیگر خطوں میں شیومت کی علیحدہ علیحدہ صورتیں ہیں۔

پشاپت

پشاپتن فرقہ شیومت کا قدیم ترین فرقہ ہے جسے مشہور مصلح 'کلویش' (1CE) نے

منظم کیا ہے۔ یہ دراصل شیومت کے پیروکاروں کے زاہدوں کا طبقہ ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ

یہ کائنات ابدی ہے۔ ان کی مذہبی کتاب گنا کارا (Ganakārikā) ہے۔

لنگایت

لنگایت جنوبی ہند بالخصوص کرناٹک کا مقبول فرقہ ہے جو شیومت سے تعلق رکھتا ہے

مگر بالعموم یہ لوگ خود کو ہندوؤں سے الگ حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ایک مشہور شاعر و

فلسفی باسو (1134-1196) کی تعلیمات کو مانتے ہیں اور ان کی پوجا بھی کرتے ہیں۔ باسو

ذات پات کے نظام کے مخالف تھے۔ اس فرقے کے پانچ بنیادی اصول ہیں جنہیں پنج چرس

کہتے ہیں۔ یہ پانچ اصول یہ ہیں:

روزانہ لنگ (مرد کے اعضاءِ مخصوصہ) کی پوجا کرنا۔

سات اخلاقی اصولوں کا پابند رہنا۔ (چوری نہ کرنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، جھوٹ نہ بولنا، اپنی تعریف نہ کرنا، زبان درازی نہ کرنا، گالی نہ دینا، برداشت کرنا)

اس بات پر یقین رکھنا کہ شیو معبودِ مطلق ہے اور تمام مخلوق سے محبت کرتا ہے۔

اپنے عقیدے اور مذہبی ساتھیوں کی حفاظت اور دفاع کرنا۔

شیو مت کے کئی ایسے لوگ ہیں جو بیک وقت اس فرقے میں بھی شامل ہیں اور دوسرے شیو فرقوں میں بھی۔ یہ واضح رہے کہ اس فرقے کے لوگ مین اسٹریم ہندومت کے کئی مروجہ عقائد سے اختلاف رکھتے ہیں۔ تقابلی صورت میں اس کی تفصیل یہ ہے۔

ہندومت کا کوئی بانی نہیں ہے۔ لنگائیت کے بانی فلسفی باسو ہے۔ عام ہندومت میں وید، گیتا، پران، شاستر اور دیگر آگم کو اہمیت حاصل ہے۔ لنگائیت ان میں سے کسی کتاب پر یقین نہیں رکھتے۔ اس کے برعکس ان کا اپنا لٹریچر ہے جس میں اہم و چنا سہت یا ہے۔

ہندومت میں ہوم اور یجن عبادات کے ضمن میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ لنگائیت ان کی مخالفت کرتے ہیں۔

ہندوؤں کے ہاں کاشی، رامیشور، کشمیر اور دیگر تیرتھ مقدس ہیں۔ لنگائیت انہیں مقدس نہیں مانتے۔

لنگا دریا اور گائے ہندوؤں کے ہاں انتہائی مقدس اور متبرک سمجھی جاتی ہے۔ لنگائیت فرقے کے ہاں ان دونوں کی کوئی حیثیت نہیں۔

ہندو کو اکب پرستی اور علم نجوم (Astrology Horoscope) پر یقین رکھتے ہیں۔ لنگائیت ان میں سے کسی پر یقین نہیں کرتے۔

ہندو ذات پات کے نظام کے قائل ہیں۔ لنگائیت اس نظام کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ ہندوستانی مورخ ڈاکٹر تارا چند کے مطابق لنگائیت فرقہ دراصل جنوبی ہند میں مسلمانوں کے ذریعے پہنچنے والی اسلامی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لنگائیت فرقے کے ہاں کئی ایسی باتیں ہیں جو بعینہ اسلام میں ہزاروں برس سے رائج ہیں۔ اس کی تفصیل ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب 'INFLUENCE OF ISLAM ON INDIAN CULTURE' میں لکھی ہے۔

شکنتی مت

اپنی قدامت اور پیروکاروں کی تعداد کے لحاظ سے یہ فرقہ ہندوؤں میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ کئی لوگ ایسے ہیں جو شیو مت اور وشنو مت کے ساتھ شکنتی مت کے پیروکار بھی ہیں۔ یہ لوگ خدا کو ماں کی مثل مانتے ہیں۔ اس فرقے میں کوئی خاص الگ عقائد نہیں ہیں البتہ ان کے فلاسفہ پرش یعنی روح کو مذکر اور پراکرتی یعنی مادے کو مونث مانتے ہیں۔ ان کے ہاں شکنتی دیوی کو مختلف صورتوں میں پوجا جاتا ہے۔ اومادیوی کی صورت میں پاروتی ایک رحم دل ماں، کامی کی صورت میں قدرتی آفات کی دیوی اور درگا اور کالی ماتا کی صورت میں ایک خوف ناک دیوی ہے۔

شکنتی مت سے تعلق رکھنے والے 'تانترا' (جادو ٹونا وغیرہ) پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ ان کی مذہبی کتاب 'دیوی مہات میم' اور 'دیوی بھگوت پران' ہے۔

سمرتی مت

ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد سمرتی مت سے تعلق رکھتی ہے۔ سمرتی ازم سے مراد وہ مکتب فکر ہے جو کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتے نہ ہی خود کو کسی خاص دیوتا سے منسوب کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک مذہبی سماجی طبقہ ہے جس میں بنیادی طور پر برہمن، چھتری اور ویش طبقات کے لوگ شامل ہیں۔ تامل زبان میں 'اییز' (Ayyar) اسی فرقے کے برہمنوں کے نام کے آگے لگایا جاتا ہے۔

عام الفاظ میں ہم انہیں ماورائے مسلک کہہ سکتے ہیں۔ عصر حاضر میں تعلیم یافتہ ہندوؤں کی اکثریت اس سے وابستہ ہے، البتہ ان میں بھی اکثریت برہمن طبقے کی ہی ہے اور بالعموم برہمن طبقہ ہی خود کو 'سمرت' کہلواتا ہے۔ سمرتی وید کے الہامی ہونے اور پُران سمیت دیگر سمرتی ادب کے مستند ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔ یہ لوگ دیوتاؤں کی پرستش کے معاملے میں آزادی کے قائل ہیں، یعنی ایک ہندو جس کی پرستش کرنا چاہے کر سکتا ہے۔

یہ مکتب فکر خود کو ایک بڑے ہندو مصلح آدی شنکرا چاریہ (788-820CE) سے منسوب

کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ہندو دھرم وہ مذہب ہے جس میں خدا کو کسی بھی صورت میں پوجا جاسکتا ہے۔ اس فرقے سے تعلق رکھنے والے لوگ سمرتی کے زمرے میں آنے والی سبھی کتابوں کو انتہائی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے ہاں روزمرہ کی مذہبی رسوم میں مندرجہ ذیل باتیں خاص اہمیت کی حامل ہیں:

اشنان یعنی غسل کرنا

منتروں کا جاپ

پوجا

اگنی ہوتر

اُپاسنا یعنی دیوتاؤں کی تعظیم

آریہ سماج

ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ہندو دھرم میں جو اصلاحی تحریکیں اٹھیں ان میں سے ایک آریہ سماج ہے۔ یہ فرقہ دورِ حاضر میں سوامی دیانند سرسوتی (1823-1883) کے ہاتھوں تشکیل پایا ہے۔ ہندوؤں میں یہ فرقہ اگرچہ بہت کم تعداد میں ہے، لیکن یہ ایک بااثر فرقہ ہے۔ آریہ سماج والے عقیدہ اوتار کا شدت سے انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ بت پرستی اور ذات پات کی بھی مخالفت کرتے ہوئے توحید اور مساوات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ ان کا نعرہ ہے: حقیقی ویدک دھرم کی طرف لوٹو۔

سوامی دیانند سرسوتی نے وید کا ترجمہ اور بھاشیہ یعنی شرح بھی لکھی ہے۔ اکثر علمائے سنسکرت اور ہندو پنڈتوں نے ان کی مخالفت کی کیونکہ ان کے مطابق یہ ترجمے اور بھاشیہ قدیم شرح کے خلاف تھے۔ سوامی جی نے اپنے نقطہ نظر کے مطابق تشریح کے لیے بہت سی ایسی تاویلات کی ہیں جو جمہور پنڈتوں کے نزدیک خود وید کے دوسرے منتروں سے گلگرتی ہیں۔ دیگر مذہب پر اعتراضات اور تنقید کرنا اس فرقے کا خاص امتیاز ہے۔ سوامی دیانند سرسوتی نے بھی اپنی کتاب 'سنیارتھ پرکاش' میں اسلام، سکھ مت، عیسائیت، بدھ مت اور برہمنی مت کو مضحکہ خیز

تنقید کا نشانہ بنایا، جس کا جواب ان مذاہب کے علمائے دیا اور یوں ان مذاہب کے علما کے ساتھ مناظروں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ دیگر مذاہب بالخصوص اسلام پر تنقید کا یہ سلسلہ اب بھی جاری و ساری ہے۔ دور جدید میں اس فرقے کو اگنی ویر نام کی تحریک سے فروغ مل رہا ہے۔ آری سماج کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

توحید یعنی ایک خدا کو مانتے ہیں۔

مادہ اور روح کو قدیم مانتے ہیں۔ یعنی ان کے نزدیک یہ چیزیں ہمیشہ سے موجود ہیں

اور ان کا کوئی نقطہ آغاز نہیں ہے۔

ویدوں کو الہامی، غلطی سے مبر اور ایک علمی معجزہ تسلیم کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک مذہبی ماخذ صرف وید ہے جب کہ باقی کتابیں الہامی اور تحریف

سے پاک نہیں ہیں۔

بت پرستی کی مخالفت کرتے ہیں۔

عقیدہ اوتار کا انکار کرتے ہیں۔

ذات پات کی مخالفت کرتے ہیں۔

سائن اور شکر اچار یہ کے نظریات کے مخالف ہیں۔

دیگر مذاہب پر سخت تنقید کرتے ہیں۔

گاندھی تحریک

اس تحریک کے بانی مہاتما گاندھی (موہن داس کرم چند گاندھی) (1869-1949) تھے

جو کہ ایک معروف مذہبی اور سیاسی شخصیت تھے۔ مہاتما گاندھی کے مطابق ان کی تحریک کی بنیاد گیتا پر تھی۔ انھوں نے رہبانیت، اہنسا، کرشن پرستی اور سادگی کے اصولوں پر زور دیا اور ذات پات کی مخالفت کرتے ہوئے تمام انسانوں کے برابر ہونے پر زور دیا۔ انھوں نے اچھوت طبقے کو 'ہریجن' یعنی خدا کے بندے قرار دیا اور انہیں عزت دی۔ اس وقت ان کی تحریک کو ہندوستان میں سرکاری سرپرستی حاصل ہے اور انہیں بھارت کا 'بابائے قوم' سمجھا جاتا ہے۔ گاندھی تحریک

کے آشرم پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں جہاں اچھوتوں کو بھی داخلے کی اجازت ہے۔

برہموسماج

اس فرقے کے بانی رام موہن رائے تھے جو 1774 میں بمقام بردوان (مغربی بنگال) ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ انہیں انگریزی، عربی، فارسی، بنگالی اور سنسکرت کے علاوہ لاطینی، فرانسیسی اور عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی۔ انھوں نے وید سمیت دیگر مذاہب عالم کی مذہبی کتب کا مطالعہ کیا اور 39 سال کی عمر میں اپنے مذہب کی تبلیغ کا باقاعدہ آغاز کیا۔ ان کی تعلیمات کا محور کم عمری میں شادی، بت پرستی، کثرت ازدواج، الوہیت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام، ستی کی رسم اور ذات پات کے امتیاز کی مخالفت تھی۔ انھوں نے ویدوں کو الہامی کتاب ماننے سے بھی انکار کیا اور اپنشد کی تعلیم کی طرف زیادہ زور دیا۔ انھوں نے ہفتہ وار عبادت کا سلسلہ بھی شروع کیا جس میں اپنشد پڑھی جاتی تھی۔ لیکن بعد میں برہموسماج کے اہم رہنما اور مشہور شاعر رابندر ناتھ ٹیگور (1817-1905) نے ویدوں کی طرف رجوع کر لیا لیکن وہ بھی ویدوں کو ہر قسم کی غلطی سے مبرا نہیں سمجھتے تھے۔

اپنی انقلابی فکر کی وجہ سے ٹیگور کے بعد اس تحریک کو ہندوستان میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کی تحریک ہندوؤں کے ہاں ایک فرقے کی حیثیت اختیار کر گئی۔ لیکن ساتھ ہی ٹیگور کی قیادت میں برہموسماج کے کئی بنیادی اصولوں میں تبدیلیاں بھی کی گئیں۔

برہموسماج کے اکثر خیالات عقل پرستی کا مظہر نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں لیکن الہام، اوتار، معجزات یا اس قسم کے دیگر عقائد کو تسلیم نہیں کرتے۔ ساتھ ہی اس امر کی آزادی کی بھی دعوت دیتے ہیں کہ جس شخص کو جو طریقہ مناسب لگے، خدا کی عبادت کے لیے وہ اختیار کر سکتا ہے۔ اختلافات کی بنا پر برہموسماج مزید دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ گاندھی جی اور آریاسماج کی تحریک کے عروج کے بعد اب برہموسماج کے ماننے والوں کی تعداد ہزاروں سے زیادہ نہیں رہی۔ برہموسماج کے بنیادی عقائد یہ ہیں:

خدا ایک ہے جو انسانی سوچ و فکر اور ہر قسم کے جسم سے ماورا ہے۔ اس کا بت بنانا

جائز نہیں ہے۔

تناسخ، جنت و دوزخ اور اس قسم کے دیگر عقائد کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔
 کوئی الہام، پیغمبر، اوتار اور مذہبی رہنما نہیں ہیں۔
 ذات پات کی کوئی تمیز نہیں۔

موجودہ دور میں یہ تحریک دو ذیلی شاخوں میں تقسیم ہے جو سادھارن برہموسماج اور
 آدی برہموسماج کہلاتی ہے۔

رام کرشنا مشن

رام کرشنا مشن ہندوؤں کی ایک عالمی تحریک و تنظیم ہے۔ اس تحریک کا آغاز مشہور
 مذہبی رہنما رام کرشن (1836-1886) نے اپنے خاص شاگرد سوامی ویویکا نند (1863-1902)
 کے ساتھ کیا۔ رام کرشن ایک ویشٹو برہمن پجاری تھے مگر معاشرے میں موجود مذہبی انتہا پسندی
 سے بیزار ہو چکے تھے۔ غور و فکر کے بعد وہ اس بات کے قائل ہوئے کہ تمام مذاہب حق ہیں اور
 سبھی ایک ہی خدا کو مانتے اور پوجتے ہیں۔ ہندوستان میں وحدت ادیان کے تصور کو عام کرنے
 میں ان کا اہم کردار ہے۔ موجودہ دور میں رام کرشنا مشن صرف ایک مذہبی تحریک ہی نہیں بلکہ
 سماجی و فلاحی تحریک بھی ہے، جس نے ہندوستان میں ایک بڑی تعداد میں ہسپتال، تعلیمی، سماجی
 اور رفاہی ادارے قائم کیے ہیں۔ کئی مغربی ممالک میں بھی اس تنظیم کے مراکز قائم ہیں۔ اندرون
 و بیرون ملک ہندومت اور بھکتی مت کی اشاعت میں اس تحریک نے اہم کردار ادا کیا
 ہے۔ مذہبی اعتبار سے یہ لوگ ویدانت پر عمل کرتے ہیں۔